بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۴

شمارہ نمبر ۴

اپریل ۲۰۲۰ء

APRIL 2020

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان : ۳۰۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۴۰/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۳۰/روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہونے سے پہلے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ..... مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم 6
- تدبیر کے ساتھ رجوع الی اللہ بھی ضروری! ..... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 8
- بیمار کی عیادت - ایک انسانی حق ..... مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی 11
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عاجزی وانکساری ..... محترم خلیل الرحمٰن ربانی 15
- نمازِ تہجد - قربِ الٰہی کا وسیلہ ..... مولانا رضوان اللہ پشاوری 17
- مصر سے مکہ اور کشمیر تک ..... محمد رضی الاسلام ندوی 19
- ہم اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے ..... شائستہ نوشین، حیدرآباد 20
- حق ادا کرو! ..... مولانا شمس نوید عثمانی 22
- جہنم سے بچانے والے اعمال ..... ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن العریفی 24
- اللہ کی پناہ میں ..... عبدالمالک مجاہد 27
- رنج والم نہ شرعاً مطلوب ہے نہ اصلاً مقصود ..... ادارہ 29
- گھر کی ملکہ ..... خواجہ ثاقب غفور 32
- کفر کے فتوے اور کرنے کا اصل نام ..... بشارت حمید 34
- سوال وجواب ..... مفتی راشد حسین ندوی 36
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ..... بحوالہ روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد 37
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی 40-42

اپنی بہنوں سے

مدیر

اس وقت مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور طرح طرح کے مسائل ان کے سامنے ہیں دینی لحاظ سے بھی اور دنیاوی معاملات میں بھی ان کو ایسے مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن سے نبرد آزما ہونا سخت دشوار ہے۔ دشمنانِ اسلام ان کو ہر طرف سے گھیرنے اور تنگ کرنے پر آمادہ ہیں ملک کے اندر بھی اور ملک کے باہر بھی یہ ایک بین الاقوامی سازش ہے جس کا سرا مسلمانوں کے دائمی دشمن یہودیوں اور ان کے سعادت مند شاگردوں، عیسائیوں اور کفار و مشرکین کے ہاتھ میں ہے۔

ان حالات میں مسلمانوں کو بہت احتیاط اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اور ہر وقت غیر اسلامی تحریکوں چاہے سیاسی ہوں یا تعلیمی و رفاہی یا ہمدردی کے غلاف پر لپٹی ہوئی ان سے ہوشیار رہنا چاہئے ہم اگر اپنی آنکھ کھلی رکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ تہذیبی میدان میں بھی تعلیم صحافت کے ذریعہ بھی، لیکن افسوس یہ ہے کہ دشمن جتنا ہوشیار اور خطرناک ہے ہم اتنے ہی غافل اور اپنے اصولوں سے بیگانہ اور ملی شعور سے محروم، اپنے ذاتی فائدوں، عیش و آرام میں مست جس ملت کے لاکھوں بچے فیس، کتابوں، اور ضروری مصارف نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم سے محروم ہوں ہزاروں ادارے جو ملت اسلامی کے لئے روح کا درجہ رکھتے ہیں وہ موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہوں اور ہم دکھاوے نام و نمود کے شکار ہو کر شادیوں و دیگر تقریبات میں پانی کی طرح دولت بہائیں، پڑوسی فاقے کر رہے ہوں، پھٹے حال ہوں، بیمار ہیں تو علاج سے محروم ہوں اور ہم اپنے گھروں کو سجانے بے جا رسوم و رواج پر دولت لٹانے میں مصروف ہوں۔ مسلمانوں کی معاشی بدحالی اور دشمنوں کے حملوں کے اس دور میں (جس کے غریب لوگ زیادہ شکار ہو جاتے ہیں) اس کی کیا گنجائش ہے کہ کوئی فرد اپنے یہاں کی تقریب پر اتنی شاہ خرچی دکھائے جس سے ایک برادری کی پرورش یا کسی ایک تعلیمی ادارہ کا انتظام ہو سکتا ہے۔ دنیا کی دولت آنی جانی ہے آخرت کے عذاب کی فکر کیجئے جب ایک ایک پیسہ کا حساب دینا ہوگا دولت ایک نعمت ہے اس کو لعنت نہ بنائیے۔

تکلف کی ممانعت

امۃ اللہ تسنیم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو تکلف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (بخاری) حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے کہا اے لوگو! جو شخص کچھ جانتا ہو وہ بتا دیا کرے اور جس کو علم نہ ہو وہ واللہ اعلم کہہ دیا کرے۔ (یعنی اللہ ہی خوب جانتا ہے) حقیقت میں یہ علم ہی ہے کہ جس چیز کو نہ جانتا ہو تو اس کے جواب میں کہہ دے کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جیسے کہ پروردگار نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے۔

قُلْ مَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ۔ ترجمہ: کہہ دو کہ میں تم سے اس کی اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں۔ (بخاری، مسلم)

نوحہ سے مردے کو تکلیف

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نوحہ (مطلب یہ ہے کہ میت نے مرتے وقت نوحہ کی ممانعت نہ کی ہو یا اس کے گھر میں نوحہ کا رواج ہو اور باوجود قدرت ہونے کے وہ منع نہ کرے یہی وجہ عذاب کی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ صحابی نے انتقال کے وقت نصیحت کی تھی کہ مجھ پر کوئی نہ روئے) کرنے سے قبر میں مردے پر عذاب ہوتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ جب تک نوحہ کیا جاتا رہتا ہے اس پر عذاب ہوتا رہتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

جاہلیت کے کاموں سے بیزاری

: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جو منہ پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی صدا (مثلاً فلاں قبیلہ کی دہائی، فلاں قوم کی دہائی) لگائے وہ ہم سے نہیں ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ درد کی شدت سے بیتاب ہوگئے اور غشی طاری ہوگئی۔ اس وقت ان کا سر ان کی کسی بیوی کے زانو پر تھا وہ یہ حال دیکھ کر چلا چلا کر رونے لگیں، وہ غشی کی وجہ سے ان کو منع نہ کر سکے۔ جب افاقہ ہوا تو کہنے لگے، میں اس شخص سے بیزار ہوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں جو نوحہ کرے، مصیبت کے وقت سر منڈائے اور گریبان چاک کرے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جس پر نوحہ کیا جاتا ہے اس پر نوحہ کرنے کی وجہ سے قیامت میں عذاب ہوگا۔ (بخاری، مسلم)

نوحہ نہ کرنے پر بیعت

حضرت ام عطیہ نسیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرتے وقت ہم سے عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہ کریں گے۔ (بخاری، مسلم)

میت کی تعریفوں سے مردہ کو طعنہ

: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن رواحہ پر غشی طاری ہوگئی تو ان کی بہن نے واجبلاہ واکذا واکذا کہہ کر رونا شروع کیا یعنی ان کی مصیبتیں بیان کرنے لگیں، جب ان کو افاقہ ہوا تو بہن سے کہنے لگے تم میری خوبیاں بیان کرتی تھیں اور مجھے اس کا طعنہ دیا جاتا تھا کہ تو ایسا ہی ہے۔ (مثلاً واجبلاہ کہا گیا کہ کیوں تو

پہاڑ ہے کہ تیرے ساتھ لوگ پناہ پکڑتے ہیں جبل پہاڑ کو کہتے ہیں) (بخاری)

آنسو بہانے اور دلی صدمہ پر گرفت نہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ سعدؓ بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود کو لے کر ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو ان کو غشی کی حالت میں پایا، آپ نے فرمایا کیا انتقال کر گئے، لوگوں نے کہا نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا دیکھ کر سب کے سب رونے لگے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سنتے نہیں یعنی سنو۔ بیشک اللہ تعالیٰ آنسو بہانے پر اور دلی صدمہ پر عذاب نہیں فرماتا۔ ہاں اس زبان کی بدولت (یعنی رنج وغم کے وقت ناشکری بے صبری کے کلمات، جناب الٰہی میں بے ادبی کے کلمات کہے تو عذاب کا مستحق ہوگا اور اس کے برخلاف اللہ کی تعریف کی، صبر سے کام لیا، انا للہ پڑھا تو اجر کا مستحق ہوگا) آپ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ اس کی وجہ سے عذاب کرتا ہے یا رحم فرماتا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

نوحہ کرنے والی کو سزا: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت پر رونے والوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اس کی خوبیاں بیان کر کے روتے ہیں جیسے اے پہاڑ، اے میرے سردار اور اسی طرح کے الفاظ۔ تو اس میت پر دو فرشتے مسلط کئے جاتے ہیں، وہ اس کے سینہ پر مکے مارتے ہیں اور کہتے ہیں تو اسی طرح تھا۔ (ترمذی)

دو کافرانہ عادتیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو عادتیں لوگوں میں ایسی ہیں جو اُن کے حق میں کفر ہیں، ایک تو نسب میں عیب لگانا، دوسرے مردوں پر نوحہ کرنا۔ (مسلم)

کاہنوں کی پیش گوئی کی حقیقت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاہنوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں، ان کی بات قابل اعتماد ہے یا نہیں، آپ نے فرمایا وہ کچھ نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا حضرت بہت سی باتیں ایسی بتاتے ہیں جو سچ ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا اصل یہ ہے کہ ایک بات حق ہوتی ہے جس کو جن (شیاطین آسمان سے فرشتوں کی گفتگو جو احکام الٰہی کے متعلق ہوتی تھی چوری چھپے سن آتے تھے، پھر کاہنوں کو بتا دیا کرتے تھے۔ کاہن اس میں اپنی طرف سے باتیں ملا کر لوگوں کو خبر دیتے تھے اور لوگ اس کو مان لیتے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو شیاطین آسمان پر جانے سے روک دیئے گئے اور کہانت باطل ہوگئی) ملائکہ سے اُچک لیتے ہیں اور وہ اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتے ہیں، وہ لوگ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں۔ (بخاری۔ مسلم)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

تدبیر کے ساتھ رجوع الی اللہ بھی ضروری!

CAA قانون کے خلاف اس وقت پورا ملک سراپا احتجاج بنا ہوا ہے، لیکن حکومت سمجھتی ہے کہ اپنی ضد پر اڑا رہنا، رعایا کے جذبات کو کچل دینا اور آنکھ کان بند کر کے حکومت کرنا کمال کی بات ہے، اس لئے وہ ذرا بھی اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں ہے، اسے یہ بات جان لینی چاہئے کہ بدترین حکومت وہ ہے، جو رعایات کی بات سننے پر آمادہ نہ ہو اور جس کو طاقت کا نشہ اتنا بدمست کردے کہ مظلوموں کی آہیں اس کے کانوں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجائیں، اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ظلم و جبر ایک غیر فطری چیز ہے اور اس کو آج یا کل انشاء اللہ ختم ہو کر رہنا ہے، اس سلسلہ میں یونیورسٹیوں کے طلبہ، سیکولر دانشور حضرات، فلم اور کھیل کی دنیا کے لوگ، ملک کے ریٹائرڈ قابل افسران اور میڈیا کے وہ لوگ جن کے ضمیر میں ابھی زندگی کی رمق باقی ہے، قابل تحسین بھی ہیں اور شکریہ کے مستحق بھی کہ وہ پوری جرأت اور حوصلہ کے ساتھ انصاف کی یہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔

اسی پس منظر میں برادران اسلام سے عرض ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے دو نظام کارفرما ہیں، ایک: نظام اسباب، دوسرے: نظام غیب، نظام اسباب یہ ہے کہ ظاہری اسباب کے واسطے سے نتائج ظاہر ہوں، یہ ایک واضح حقیقت ہے، جس کو ہم روز و شب سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اگر کوئی شخص آگ کے شعلہ کو اپنے ہاتھ میں لے لے تو اس کا ہاتھ جلے گا، اور تیرنے سے واقف نہ ہو پھر بھی گہرے دریا میں کود جائے تو یقیناً ڈوب جائے گا، یہ اسباب کا نظام ہے جو پوری کائنات میں کارفرما ہے اور دنیا میں ہمارے سارے کام اسی ذریعہ سے انجام پاتے ہیں۔

نظام غیب کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے حاصل ہونے کا جو فطری ذریعہ ہوتا ہے، اس کے بغیر وہ چیز حاصل ہو جائے، یا جو چیز جس بات کا سبب بنتی ہو، اس کا وہ نتیجہ ظاہر نہ ہو پائے، جیسے: آگ میں انسان جل جاتا ہے، لیکن اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ بحر قلزم میں اتر گئے: لیکن سمندر انہیں ڈبو نہیں سکا، انسان اس دنیا میں باپ اور ماں کے واسطہ سے پیدا ہوتا ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ماں کے ذریعہ پیدا کئے گئے، یہ اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے، آخرت کا تو پورا نظم و نسق اسی نظام کے تحت رہے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں بھی وقتاً فوقتاً انسان کو اس نظام کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔

اس لئے جیسے حکومت کے ظالمانہ رویہ سے مقابلہ کے لئے سیاسی اور عوامی جدوجہد کی جارہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے رجوع کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، یہ اپنی مہم میں کامیابی حاصل کرنے کا غیبی نظام ہے، قرآن مجید میں مومنوں کے لئے آزمائشوں کا ذکر کرتے ہوئے صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنانے کا حکم دیا گیا ہے، اور ان کی شان بتائی گئی ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ''ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔'' **اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله و انا اليه راجعون.** (البقرۃ:۱۵۶) یعنی مومن کی شان یہی ہے کہ خوشی کا موقع ہو یا تکلیف کی گھڑی، ہر حال میں وہ خدا کو یاد رکھے اور اسی سے رجوع کرے۔

اللہ سے رجوع کرنے کی صورت اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنا ہے، یہ مومن کا ہتھیار ہے اور اس سے مصیبتیں دور ہوتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صرف دعاء ہی ایسی چیز ہے، جس سے تقدیر کا فیصلہ بدلتا ہے: **لا یرد القضاء الا الدعاء** (ترمذی عن سلمان الفارسی، حدیث نمبر: ۲۱۳۹) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بندہ جب بھی دعاء کرتا ہے تو یا تو جو مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ وہی عطا فرمادیتے ہیں، یا اسی کے مثل کوئی اور مفید چیز عنایت کرتے ہیں، بشرطیکہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے، **ما احد یدعو بدعاء الا اعطاہ اللہ ما سأل الخ** (مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۴۸۷۹) سب سے اہم بات یہ ہے کہ دعاء سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اور بندہ کو اللہ کا ساتھ مل جائے، اس سے اہم بات اور کیا ہوسکتی ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا بندہ مجھ سے جو گمان رکھتا ہے، میں اسی کے مطابق اس کے ساتھ عمل کرتا ہوں، اور جب وہ مجھ سے دعاء کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں: **انا عند ظن عبدی بی و أنا معه اذا دعانی.** (مسلم حدیث نمبر: ۲۶۷۵)

خاص کر ظالموں سے ظلم سے چھٹکارے کے لئے دعاء کی بڑی اہمیت ہے، سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں نبوت سے نوازے گئے، وہاں ان پر بڑے مظالم ہوئے، انہوں نے عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمائی انہیں مصر سے گزرنا تھا، مصر کا بادشاہ بڑا ظالم و جابر تھا، کوئی شخص اگر اپنی بیوی کے ساتھ گزرتا اور وہ خوبصورت ہوتی تو بادشاہ زبردستی اس کو لے لیتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام بھی ہمسفر تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حسن و جمال سے بھی نوازا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے خطرہ تھا کہ وہ حضرت سارہ کو گرفتار کرلے گا، اس لئے انہوں نے حضرت سارہ سے فرمایا: اگر بادشاہ تم سے پوچھے کہ مجھ سے کیا رشتہ ہے؟ تو تم اپنے آپ کو میری بہن بتانا، کیونکہ اس وقت دنیا میں ہم ہی دو مسلمان ہیں، اس رشتہ سے ہم بھائی بہن ہوئے، یہ بات اس لئے فرمائی کہ بادشاہ صرف گزرنے والوں کی بیوی کو اپنے تصرف میں لیا کرتا تھا نہ کہ بہن کو، مگر آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، اہل ایمان کے اس مختصر قافلہ کو دیکھ کر اس کی نیت خراب ہوگئی، اور یہ بتانے کے باوجود کہ وہ بیوی نہیں ہیں، بہن ہیں، اس نے حضرت سارہ کو گرفتار کرلیا، پھر جب اس نے حضرت سارہ علیہا السلام کے پاس آنا چاہا تو انہوں نے وضوء کیا، نماز میں مشغول ہوگئیں اور دعاء کی: اے اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے شوہر کے سوا میں نے ہر ایک سے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا ہے، لہٰذا مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ فرمایئے، دعاء کرنا تھا کہ وہ ظالم بے ہوش ہوگیا اور پاؤں پٹخنے لگا، حضرت سارہ علیہا السلام پھر اللہ تعالیٰ سے

> نظام غیب کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے حاصل ہونے کا جو فطری ذریعہ ہوتا ہے، اس کے بغیر وہ چیز حاصل ہوجائے، یا جو چیز جس بات کا سبب بنتی ہو، اس کا وہ نتیجہ ظاہر نہ ہوپائے، جیسے: آگ میں انسان جل جاتا ہے، لیکن اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ بحر قلزم میں اتر گئے: لیکن سمندر انہیں ڈبو نہیں سکا، انسان اس دنیا میں باپ اور ماں کے واسطہ سے پیدا ہوتا ہے، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ماں کے ذریعہ پیدا کئے گئے، یہ اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے، آخرت کا تو پورا نظم و نسق اسی نظام کے تحت رہے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں بھی وقتاً فوقتاً انسان کو اس نظام کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔

رجوع ہوئیں کہ اگر یہ مرگیا تو کہا جائے گا، میں نے ہی اسے مار دیا ہے، اس لئے اسے ہوش عطا کردیجیے، وہ ہوش میں آ گیا، اس طرح تین یا چار بار حضرت سارہ کو نشانہ بنانے کی کوشش کی، ہر بار حضرت سارہ نے دعاء کی اور وہ اسی کیفیت میں مبتلا ہوا، اخیر میں اس نے تنگ آ کر اپنے مصاحبین سے کہا کہ تم لوگوں نے میرے پاس شیطان کو بھیج دیا ہے، ان کو ابراہیم (علیہ السلام) کے حوالہ کردو، نیز حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا حضرت ابراہیم سے نکاح کردیا۔ (مسند احمد، حدیث نمبر: ۹۲۴۱) یہ حدیث بتاتی ہے کہ ظالموں کے تسلط کو روکنے اور ان سے مقابلہ کرنے کے لئے دعاء ایک طاقتور ہتھیار ہے، اس لئے موجودہ حالات میں ہمیں ضرور اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

دعاء ہی کی ایک صورت استغفار ہے، یہ بھی مصیبتوں سے نجات پانے کا ایک غیبی نسخہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو استغفار کا اہتمام کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے مصیبت سے باہر نکلنے کا راستہ بنادیتے ہیں، ہر فکر سے نجات عطا فرماتے ہیں، اور ایسے طریقہ پر رزق عطا کرتے ہیں، جس کا آدمی کو گمان بھی نہ ہو، **من لزم الاستغفار جعل اللّٰہ له من کل ضیق مخرجا، من کل هم فرجا، و رزقه من حیث لا یحتسب۔** (سنن ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۵۱۸) اس لئے استغفار کا بھی خصوصی اہتمام کرنا چاہئے۔

آزمائش کے ایسے حالات کے لئے ایک خاص ذکر بھی مروی ہے، اور وہ ہے: **حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل**، حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے یہی پڑھا اور جب مسلمانوں کو ڈرایا گیا کہ دشمن طاقتیں تمہارے خلاف کھڑی ہیں، تم ان سے ڈر کر رہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پڑھا۔ (بخاری عن ابی عباس رضی اللہ عنہ کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۵۶۳) قرآن مجید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمومی طرز عمل بھی یہی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب لوگ انہیں مسلمان کے خلاف مخالفین کے اکٹھا ہونے سے ڈراتے تو وہ کہتے: **حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل۔**

اسی طرح درود شریف کی کثرت کرنی چاہئے، کیونکہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے تو اللہ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں: **من صلی علیه واحدة صلی اللّٰہ علیه عشرا۔** (مسلم، **باب الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بعد التشهد**، حدیث نمبر: ۴۰۸) رحمتوں کے نازل ہونے میں مصیبتوں کا دور ہونا بھی شامل ہے۔

اس لئے دعا کے ساتھ ساتھ استغفار، حسبنا اللہ ونعم الوکیل اور درود شریف کی کثرت کی جائے اور تمام لوگ روزانہ کم سے کم دو رکعت نماز حاجت کا بھی اہتمام کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ وا ہو اور شریروں کی شرارت سے تمام برادران اسلام اور برادران وطن کو نجات حاصل ہو۔

ظالموں کے تسلط سے نجات کے لئے شریعت میں ایک خصوصی دعاء نماز کے ساتھ رکھی گئی ہے، جس کو ''قنوت نازلہ'' کہا جاتا ہے، ایسے مواقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کا اہتمام فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام نے بھی مشکل مواقع پر یہ نماز ادا کی ہے، اور اس پر امت کا تعامل رہا ہے، ابھی دو تین ہفتہ پہلے موجودہ حالات کے پس منظر میں راقم الحروف نے اسی عنوان پر ایک مختصر تحریر لکھی تھی، جو ان ہی صفحات میں طبع ہوئی تھی، اس دعاء کا بھی فجر کی نماز میں اہتمام کرنا چاہئے۔

حاصل یہ ہے کہ ہمیں ان حالات سے گھبرانا نہیں چاہئے، اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے، ایک طرف اسباب کے درجہ میں سیاسی اور اجتماعی کوششیں جاری رہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے نظام غیب پر یقین کے ساتھ پوری توجہ دی جائے، اور دعاء و التجاء کا عمل بھی جاری رہے، تو جب انسانی کوشش اور تدبیر کے ساتھ رجوع الی اللہ کا عمل جمع ہوجائے تو انشاء اللہ ضرور کامیابی حاصل ہوگی، **وبا اللّٰہ التوفیق وهو المستعان۔**

○○○

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

بیمار کی عیادت۔ ایک انسانی حق ایک اخلاقی فریضہ

خودغرضی، مفاد پرستی اور مادیت پسندی کے اس دور میں ہر طرف گہما گہمی اور نفسانفسی کا عالم ہے، میدان محشر کی منظر کشی کے حوالے سے جو باتیں قرآن و حدیث میں بہ کثرت ملتی ہیں، اس کی مختلف جھلکیاں آج کے اس مغرب زدہ، انسانی اقدار سے عاری اور انسانیت سے خالی زمانے میں بھی جگہ جگہ دیکھی جاسکتی ہیں۔ کہنے کو تو یہ ایک ترقی یافتہ دور ہے، مگر دیکھا جائے تو یہاں کائنات کا ہر شخص، اپنی دنیا میں مست، اپنے نظام کار میں مگن، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوست و احباب سے لاتعلق، معاشرتی حقوق کی ادائیگی سے یکسر غافل اور اجتماعی ذمہ داریوں سے کوسوں دور ہے۔ یہ شکایت نہیں، حقیقت ہے کہ جو انسان خودی سے خدا تک نہیں پہنچ سکا وہ خلق سے خالق تک کیسے پہنچ پائے گا؟

اسلام دینِ الفت وانسیت ہے، جس میں انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے حوالے سے بھی زریں اصول اور بے نظیر احکام بیان کئے گئے ہیں، من جملہ ان میں ''عیادت اور بیمار پرسی'' بھی ہے۔ اس فراموش کردہ عظیم سنت اور اہم ترین عبادت کی فضیلت واہمیت اجاگر کی جائے، تاکہ ہم بھی دوسروں کا دکھ درد اپنے سینوں میں محسوس کریں اور انہیں دیکھ کر اللہ کی بے پناہ نعمتوں کا شکر بجالانے کی توفیق ملتی رہے۔

عیادت کے فضائل و احکام

عیادت کے معنی مطلق ''زیارت'' کے آتے ہیں، لیکن اس کا مشہور استعمال ''زیارۃ المریض'' یعنی مریض کی زیارت کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۳۱/۷۶)

مریض کی عیادت کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں فقہائے امت کے متعدد اقوال ہیں: ۱- سنت۔ ۲- مندوب۔ ۳- واجب۔ ۴- سنت علی الکفایہ۔ ۵- فرض الکفایۃ۔ راجح یہ ہے کہ اگر کوئی دیکھ بھال کرنے والا ہو تب تو سنت ہے، ورنہ واجب ہے۔ (مرقاۃ: ۳/۱۱۲۰) شارح بخاری علاوہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عیادت کا حکم اصل میں تو مستحب ہونے کا ہے: لیکن بعض اوقات بعض لوگوں کے لیے وجوب کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔ (فتح الباری)

ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی عیادت کرنا تو اسلام کا حق ہے، مگر اس سے آگے بڑھ کر انسانیت کی بنیاد پر بلاتفریق مذہب وملت غیر مسلم کی مزاج پرسی بھی اجر وثواب سے خالی نہیں، اگر اس میں تبلیغ اسلام کی نیت کرلی جائے تو پھر نور علی نور۔ روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک غیر مسلم یہودی لڑکے کی خبر گیری اور عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خلقی سے متاثر ہوکر آپ کی بے لوث دعوت کے نتیجے میں مسلمان ہوگیا۔ (بخاری شریف)

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی بیمار پرسی اور دعوت ایمان کے لئے بھی تشریف لے جاتے ہیں۔ (بخاری شریف)

کسی بھی بیمار کی عیادت کو خود اللہ تعالیٰ کی عیادت کے مترادف بتلایا گیا، اللہ تعالیٰ کی ذات اگرچہ ہر بیماری سے پاک ہے، اُسے کوئی بیماری وتکلیف ہرگز ہرگز لاحق نہیں ہوسکتی، لیکن عیادت کی فضیلت اجاگر کرنے کے لئے اس طرح مثال بیان کی گئی، چنانچہ حدیث قدسی میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا، اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہیں کی؟ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تیری عیادت کیسے کرتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے؟ اللہ فرمائے گا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا؟ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ وہ کہے گا اے پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے؟ تو اللہ فرمائے گا، کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، لیکن تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا؟ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا، لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ وہ کہے گا: اے پروردگار! میں تجھے کیسے پانی پلاتا حالانکہ تو تو رب العالمین ہے! اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا، لیکن تو نے اس کو پانی نہیں پلایا، اگر تو اسے پانی پلاتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔ (مسلم شریف)

ایک اور روایت میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک مسلمان جب اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ مستقل جنت کی میوہ خوری میں مصروف رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ عیادت سے واپس آجائے۔

(مسلم شریف)

مزاج پرسی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت کے لئے اگر صبح کے وقت جائے تو شام تک اور شام کو جائے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اُس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور جنت میں اُس کے لئے ایک باغ مقرر ہو جاتا ہے۔

(ترمذی شریف)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں، جب کوئی شخص اپنے کسی بھائی کی عیادت کرتا ہے یا اپنے دینی بھائی کی زیارت کرتا ہے، یعنی ملنے کے لئے جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ تم (دنیا و آخرت میں) خوش رہو اور بہت اچھا رہے تمہارا چلنا اور تمہیں جنت میں ایک بڑا درجہ اور مرتبہ حاصل ہو۔ (ترمذی شریف)

نیز حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کسی مریض کی عیادت کرے اور اُس کے پاس بیٹھ جائے تو جب تک وہ اُس کے پاس بیٹھے، رحمت الٰہی اُس کو ہر جانب سے گھیر لیتی ہے اور جب وہ اُس کے پاس سے اٹھ کر چلا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے ایک دن کے روزے کا اجر لکھ دیتے ہیں۔ (کنز العمال)

بیمار پرسی کے آداب

جس طرح ہر عبادت کے کچھ ادب آداب ہوتے ہیں، دین اسلام میں عیادت کے بھی مستقل آداب بتلائے گئے ہیں، فی زمانہ بہت سے حضرات کو عیادت کے آداب کا علم نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بیمار کو تسلی دینے اور آرام پہنچانے کے بجائے اس کی تکلیف کا سبب بن جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل کے ذریعہ تیمارداری کے آداب بھی امت کو سکھائے ہیں، ہر مسلمان کو ان کی رعایت کرنی چاہئے۔

(الف) سب سے پہلے دعا پڑھی جائے اور خیر و بھلائی کی بات کی جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے داہنے ہاتھ سے اسے چھوتے اور یہ دعا پڑھتے: "اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ، وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَائُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا"

(بخاری و مسلم)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیمار یا میت کے گھر جاؤ تو اچھی باتیں کہو، اس لئے کہ فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں جو تم کہتے ہو۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، اس وقت آپ بخار میں مبتلا تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس وقت آپ کو شدید بخار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو، مجھے تم میں سے دو آدمیوں کے برابر بخار ہوتا ہے۔ میں نے کہا: کیا ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ آپ کے لئے دوہرا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! مسلمان کو مرض یا کسی اور وجہ سے جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ اس کے بدلے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، جس طرح درخت اپنے پتے کو گرا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب المرضیٰ)

(ب) مریض کے پاس کم بیٹھنا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیادت کی سنت یہ ہے کہ مریض کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا جائے اور شور کم کیا جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''العیادۃ فواق ناقۃ'' یعنی بیمار کی عیادت بس اتنی ہونا چاہیے جتنی دیر اونٹنی کو دو مرتبہ دوہنے کے درمیان وقفے میں لگتی ہے۔ (یعنی تھوڑی سی دیر) اسی طرح حضرت سعید ابن المسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''افضل ترین عیادت وہ ہے جس میں بیمار پرسی کرنے والا جلدی اٹھ کر جائے۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقیؒ)

ان روایات کی روشنی میں علماء نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے کہ عیادت کرنے والا بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، جس سے بیمار کو زحمت ہو۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم مشہور صوفی بزرگ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کو گئے اور دیر تک بیٹھے رہے۔ وہ پیٹ کے درد سے بچین ہو رہے تھے اور ہم اٹھتے نہ تھے تو بالآخر ہم نے ان سے کہا کہ: ''ہمارے لئے دعا فرمایئے تو ہم چلیں۔'' اس پر حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی کہ ''یا اللہ انہیں بیماروں کی عیادت کا طریقہ سکھا دیجیے۔''

(ج) عیادت صرف اللہ کی رضا کے لئے کرنا: عیادت بلکہ ہر عمل کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کو صرف اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے، نفسانی اغراض اور دنیاوی مصالح یا نام ونمود اور دکھلاوا ہرگز پیش نظر نہیں رکھنا چاہئے، کیونکہ یہ عمل کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ اُس پر رحم فرمائے جو صبح کی نماز پڑھ کر اللہ کی رضاء وخوشنودی اور آخرت کے (بہترین انجام اور ثواب) کے حصول کے لئے کسی مریض کی عیادت کرنے کے لئے جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھ دیتے ہیں، ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں اور جب وہ مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو اجر وثواب (کے سمندر) میں غرق ہو جاتا ہے۔ شعب الایمان)

(د) مریض کو اُس کی پسندیدہ غذا کھلانا، جب کہ اُس کے لئے وہ نقصان دہ نہ ہو، بیماری کی حالت میں منہ کا ذائقہ عموماً بدل جاتا ہے اور بعض اوقات اسی کیفیت میں مریض کا دل کسی خاص چیز کے کھانے کا کر رہا ہوتا ہے، ایسے میں دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ چیز مریض کے لئے نقصان دہ نہ ہو اور معالج کی طرف سے اُس کا پرہیز نہ بتایا گیا ہو تو مریض کو منع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ کوشش کر کے کہیں سے بھی اُسے حاصل کر کے مریض کو کھلانا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہے، حضرت سلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں: جس نے مریض کو وہ چیز کھلائی جس کی اُسے خواہش تھی، اللہ تعالیٰ اُسے جنت کے پھل کھلائیں گے۔ (طبرانی کبیر)

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کی عیادت کی، آپ نے اُس سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز کی خواہش ہے، اُس نے کہا میں گندم کی روٹی کھانا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ارشاد فرمایا: جس کے پاس گندم کی روٹی ہو اُسے چاہیے کہ اپنے بھائی کے لیے بھیج دے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا مریض کسی چیز کے کھانے کی خواہش کرے تو اُسے کھلا دینا چاہئے۔ (ابن ماجہ)

صحابہ کا ذوق عیادت

ہر وہ شخص جو کبھی بیماری اور پریشانی سے دوچار ہوا ہو وہ یہ بات بہ خوبی جانتا ہے کہ مریض ہمیشہ اس بات کا طلبگار رہتا ہے کہ اس کی دل جوئی کی جائے، کوئی ہو جو اس کے پاس آکر بیٹھے، اس سے باتیں کرے، اس کا حال پوچھے، اس کی تیمارداری کرے۔ سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں، ان کا گھرانہ بڑا سخی تھا، اللہ نے انہیں خوب نوازا تھا۔ بنوخزرج کے اس سردار ابن سردار سے بہت لوگ قرض لے جاتے تھے۔ ضرورت مند لوگ قرض لے تو لیتے ہیں، مگر اس کی واپسی اتنی آسان نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ قیس بیمار ہوگئے۔ اب وہ اس انتظار میں ہیں کہ لوگ ان کی تیمارداری کے لیے آئیں، مگر بنوخزرج کے اس سردار کا گھر مہمانوں سے خالی ہے۔ بیوی سے پوچھا: میں بیمار ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ لوگ میری تیمارداری کے لیے نہیں آئے؟ بیوی کہنے لگی: آپ کو معلوم ہے کہ مدینہ کے اکثر لوگوں نے آپ سے قرض لے رکھا ہے، ان کے وعدے گزر چکے ہیں، مگر وہ قرض واپس نہیں کر سکے۔ وہ آپ سے شرمند ہیں اور آپ کا سامنا کرنے سے کترا رہے ہیں۔ قیس کہنے لگے: اچھا! تو یہ بات ہے کہ لوگ قرض واپس نہ کر سکنے کی وجہ سے میری تیمارداری کے لئے نہیں آئے۔ کہنے لگے: برا ہو ایسے مال کا! جو لوگوں کو میری تیمارداری سے روک رہا ہے۔ منادی کرنے والے کو بلایا۔ اس سے کہا: جاؤ! مدینہ کے بازار میں اعلان کردو کہ جو کوئی قیس بن سعد کا مقروض ہے، قیس کی طرف سے اعلان ہے کہ اس کا قرض معاف کیا جاتا ہے۔ اعلان کرنے کی دیر تھی کہ لوگ اتنی کثرت سے ان کے گھر تیمارداری کے لیے آتے گئے کہ گھر کے دروازے کی دہلیز ٹوٹنے کے قریب ہوگئی۔

اس طرح ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کون ایسا شخص ہے جس نے آج روزہ رکھا ہوا ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آج روزہ رکھا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: آج تم میں سے کس نے کسی مسلمان بھائی کا جنازہ پڑھا ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے جنازہ پڑھا ہے۔ ارشاد ہوا: آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ آج تم میں سے کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آج مریض کی عیادت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان اقدس سے یہ الفاظ ارشاد فرماتے ہیں: ''جس شخص میں یہ ساری خوبیاں جمع ہوجائیں وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔'' (رواہ مسلم)

ذرا غور کیجیے! ان خوبیوں میں سوائے روزے کے باقی ساری خوبیاں اخلاق حسنہ اور دوسروں سے حسن سلوک کی نشاندہی کرتی ہیں۔

ہماری حالت زار

آج کل ہمارے معاشرہ میں جملہ معاشرتی حقوق ایک رسم بن کے رہ گئے ہیں۔ اگر کوئی بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کے لیے جانا بھی دردسر سمجھا جاتا ہے اور یوں کہا جاتا ہے کہ ''فلاں کو دیکھنے بھی جانا ہے، دو دن ہوگئے وہ بیمار ہے، وہ کہے گا کہ میں اس کو دیکھنے بھی نہیں آیا۔'' مریض کی عیادت کو نیک کام نہیں، بلکہ ایک بوجھ سمجھ کر کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ ایک انسانی حق ہے، اس کی ادائیگی میں ایثار اور خندہ پیشانی کا مظاہرہ ہونا چاہئے۔ آج اجتماعی اور انفرادی دونوں طریقوں سے تیمارداری کی اس سنت کو زندہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ قابل مبارک باد ہیں وہ دینی اور رفاہی تنظیمیں جو اس حوالے سے سرگرم عمل ہیں، مگر ان ہی پر اکتفا کرنا ٹھیک نہیں، بلکہ حالات کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اسلام کا پیغام انسانیت لوگوں تک پہنچانا ہی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اللہ پاک ہمیں اس عظیم عبادت میں حصہ لیتے رہنے اور بہ قدر وسعت اس کو وقتاً فوقتاً انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ○○

محترم خلیل الرحمان ربانی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عاجزی و انکساری

آج میں جس عظیم شخصیت کا تعارف کرانے جارہا ہوں وہ ایک ایسی شخصیت ہیں کہ جن کے اسلام لانے کا سبب بھی قرآن بنا اور آپ جب اس دنیا سے تشریف لے جارہے تھے تو اس وقت بھی آپ کی زبان مبارک قرآن مجید کے پرنور کلمات سے منور تھی۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار میں دو شخص ایسے تھے جو دین اسلام اور اہل اسلام کے لئے خطرہ محسوس کئے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں، ان کی طرف سے مسلمانوں کو تکالیف و مصائب کا بھی سامنا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کفار کے درمیان یہ مقابلہ بازی کرائی گئی کہ جو شخص نعوذ باللہ محمد کا قتل کرے گا اسے فلاں انعام سے نوازا جائے گا۔ حضرت عمر نے اس کام کو انجام دینے کا فیصلہ کیا اور نکل پڑے اور کہا کہ آج تو حساب چکتا کروں گا۔ راستے میں حضرت سعد بن ابی وقاص ملے اور پوچھا عمر بہت غصے میں ہو، کہاں جارہے ہو؟ حضرت عمر نے کہا کہ (نعوذ باللہ) تمہارے نبی کو قتل کرنے۔ پوچھا کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ جواب دیا کہ وہ دین کی تبلیغ کرتا ہے اور ہمارے بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے۔ حضرت سعد نے فرمایا جس دین کی وجہ سے تم اسے قتل کرنے جارہے ہو وہ تو تمہارے گھر میں بھی داخل ہو چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کی طرف لپکے اور دیکھا کہ بہن بہنوئی کچھ پڑھ رہے ہیں آپ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے کچھ چھپانے کی کوشش کی۔ حضرت عمر نے ظاہر کرنے کو کہا تو انہوں نے انکار کیا۔ اس پر پہلے بہنوئی کو مارا اور پھر بہن کو بھی لہولہان کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہن کی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ بتاؤ تو سہی وہ کیا چیز ہے جس کی خاطر تم جان دینے کو تو تیار ہو، مگر پیچھے نہیں ہٹ رہیں؟ آپ کی بہن نے کہا کہ وہ قرآن پاک کے مقدس اوراق ہیں، تم انہیں بغیر پاکی کے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا، پاک ہوئے اور پھر قرآن پاک کی تلاوت کیا فرمائی کہ ایمان آپ کے دل میں اُتر آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لے جایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہیں اسلام قبول فرمایا اور قافلہ صدق و وفا میں شامل ہوگئے۔ آپ صلی اللہ عنہ کے اسلام لاتے ہی مسلمانوں میں ایک نئی روح محسوس کی گئی۔ اب اسلام کی اشاعت کھلے عام ہونے لگی۔

یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسلام لانے اور ابتدائی زندگی کا کچھ پہلو تھا۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا عرصہ خلافت تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ بالخصوص آپ کے بعد آنے والے امراء اور سلاطین کے لئے آپ کی زندگی ایک مکمل نمونہ ہے۔ ایک خلیفہ 22 لاکھ مربع میل کا حکمران ہونے کے باوجود کس طرح عاجزی و انکساری اور سادگی سے زندگی گزارتا ہے یہ سب کچھ ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت کے مطالعے سے باآسانی مل جاتا ہے۔ بائیس لاکھ مربع میل پر حکمرانی کے باوجود عالم یہ تھا کہ رات بھر پہرہ دیتے اور جب تھکے ہارے غنودگی محسوس فرماتے تو ہاتھ میں موجود نیزہ زمین میں گاڑتے اور

وہیں اینٹ پر سر رکھ کر سو جاتے۔ بالکل اسی طرح بیواؤں اور بے سہارا لوگوں کا ساز و سامان خود خلیفہ وقت اپنے کندھے مبارک پر اٹھاتے اور گھر تک پہنچا آتے۔ سبحان اللہ! اسی لئے تو کسی شاعر نے کہا کہ ؎

وہ آدھی دنیا کا حکمراں تھا
وہ حکمراں بھی مگر کہاں تھا

آپ کی عاجزی، انکساری اور سادگی پر اصحاب سیر نے ایسے ایسے واقعات نقل فرمائے ہیں جنہیں پڑھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور موجودہ دور کے حکمرانوں سے اس طرح کی حکمرانی خواب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مالک بن حدثان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس روم کے بادشاہ کا قاصد آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ نے ایک دینار ادھار لے کر عطر خریدا اور شیشیوں میں ڈال کر وہ عطر اس قاصد کے ہاتھ، روم کے بادشاہ کی بیوی کو بطور ہدیہ بھجوادیا۔ جب قاصد، روم پہنچا تو اس نے عطر کی وہ شیشیاں شاہ روم کی بیوی کو دے دی کہ مسلمانوں کے خلیفہ کی بیوی نے آپ کے لئے یہ تحفہ بھیجا ہے۔ شام روم کی بیوی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ کی یہ بات بہت پسند آئی۔ جب عطر ختم ہوا اور شیشیاں خالی ہوئیں تو شاہ روم کی بیوی نے ان شیشیوں کو جواہرات سے بھر دیا اور قاصد کو بلوایا کہا کہ جاؤ اور یہ تحفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو دے دینا۔ جب شیشیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کے پاس پہنچیں تو انہوں نے وہ جواہرات نکال کر بچھونے پر رکھ دیے اور دیکھنے لگیں۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور پوچھا کہ یہ سب کیا ہے؟ تو آپ کے سامنے سارا قصہ سنایا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تمام جواہرات اٹھائے اور بازار میں جاکر فروخت فرمادیے۔ ان کی قیمت میں سے صرف ایک دینار بیوی کو دیا اور باقی ساری رقم بیت المال میں جمع کروائی۔ یہ تھی خلیفہ دوم کی سادگی، جس کی حکمرانی مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ امیر المومنین اکثر و بیشتر مدینہ منورہ کے بازاروں کا جائزہ لیتے رہتے۔ علاوہ ازیں شہر و مضافات میں بھی گشت کرتے ہوئے عوام الناس کی ضروریات پوری فرماتے۔ ایک دن نو وارد، ناواقف غریب مسافر کی بیوی کی زچگی دیکھی۔ دوڑتے ہوئے بیت المال کی طرف آئے، غلہ لے جاکر، خود پکا کر، اسے کھلایا اور اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے گئے کہ زچہ کی مدد کریں۔ جب اہلیہ نے اندر سے آواز دی کہ امیر المومنین! اپنے دوست کو بیٹا ہونے کی خوشخبری سنا دیجیے، تو اس وقت مسافر کو معلوم ہوا کہ جو شخص اس کی مدد میں مشغول ہیں وہ اور کوئی نہیں بلکہ خلیفۃ المسلمین ہیں۔

ایک دن معمول کے مطابق دوپہر کے وقت باہر گشت کر رہے تھے۔ اس دوران نیند کا غلبہ ہوا اور کسی درخت کے نیچے بغیر کچھ بچھائے سو گئے۔ اتفاقاً قیصر روم کا سفیر آگیا اور انہیں اپنے دفتر میں نہ پاکر پوچھتے پوچھتے مدینہ سے باہر آپ تک آپہنچا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اس طرح بے خوف و خطر دیکھ کر اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ میرا آقا ظلم کرتا ہے، اس لئے ڈر کے مارے بغیر محافظ نہیں سوتا، مگر اے عمر! تم نے عدل و انصاف کیا، اس لئے اطمینان سے سو رہے ہو، تمہیں کسی پہرے دار کی ضرورت نہیں۔

یہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عاجزی و انکساری۔ کیا آج ہمارے معاشرے میں اس کا تصور ممکن ہے؟ ہمارے حکمراں تو ایک شہر سے دوسرے شہر تک سفر کرنے کے لئے بھی عوام کے ٹیکسوں سے لئے گئے ہیلی کاپٹر استعمال کرتے ہیں، وہ بھی اس انداز میں کہ شرم و حیات لب بام ہنستے مسکراتے اپنے وجود پریشاں ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ عوام کے سامنے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی اپنانے کی صدا لگاتے ہیں، مگر عملی میدان میں فیل ہیں۔

آیئے عزم کریں! سیرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سبق حاصل کرکے اپنی زندگیوں میں حقیقی تبدیلیاں لائیں گے۔

○○○

مولانا رضوان اللہ پشاوری

نمازِ تہجد۔ قربِ الٰہی کا وسیلہ

حضرت ابوأمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم ضرور قیام لیل کیا کرو۔ (نماز تہجد پڑھا کرو)، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا شیوہ، شعار اور طریقہ رہا ہے اور قربِ الٰہی کا تمہارے لئے خاص وسیلہ ہے اور برائیوں کو مٹانے والی اور معاصی سے محفوظ رکھنے والی چیز ہے۔''

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ)

خالق کائنات نے اپنی خاص حکمت کے تحت دن کو روشن اور رات کو پُرسکون بنایا، رات کو سناٹے میں جیسا سکون عموماً آرام میں اور خصوصاً عبادت میں ملتا ہے، ویسا کسی دوسرے وقت میں نہیں ملتا، یہی وجہ ہے کہ رات کی تنہائی میں عوام تو خوابِ غفلت میں مست ہوتے ہیں، مگر خواص یادِ الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں اور یہ خواص لوگ عبادت کرنے کے لئے رات کا بہت زیادہ انتظار کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے ان ہی کی شان میں فرمایا: ترجمہ: ''ان کے پہلو اس وقت (رات میں جو لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے) ان کی خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں۔ یعنی میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے قیام کرتے ہیں اور نماز تہجد پڑھتے ہیں۔'' السجدہ)

حدیث شریف میں بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات اس حال میں گزارتے کہ پہلو بستر سے جدا ہوتا، جب کہ مشرکوں کے بستر ان کے بوجھ سے گراں بار ہو چکے ہوتے۔'' (بخاری شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد خواص کی عبادت ہے، جیسا کہ حدیث میں نمازِ تہجد کی چار خصوصیتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

پہلی خصوصیت..... ''داب الصالحین'' نماز تہجد کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دور قدیم سے صلحاء کا شعار، طریقہ اور ان کی عبادت رہی ہے۔ اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ ہے: ایک تو یہ کہ جب امم سابقہ کے اولیاء اور صلحاء نمازِ تہجد کا اہتمام کرتے تھے تو تمہیں بطریق اولیٰ اس کا اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ تم تو خیر الامم ہو۔ دوسرا..... اس طرف اشارہ ہے کہ نماز تہجد صالحین کا شیوہ ہے، جو اس کا اہتمام نہیں کرتا وہ صالحین (کاملین) میں سے نہیں۔ حدیث میں ہے: ''میری امت کے شرفاء حاملین قرآن (قرآن کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والے) اور تہجد گزار لوگ ہیں۔'' (مشکوٰۃ شریف)

دوسری خصوصیت..... **"وھو قربة لکم الی ربکم"** نماز تہجد کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ قربِ الٰہی کا وسیلہ ہے، اس سے رب کریم کی قربت و محبت نصیب ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے، لہٰذا تم بھی اس وقت اس کے یاد کرنے والوں میں ہو سکتے ہو تو ضرور ہو جاؤ۔'' (ترمذی)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس میں اس حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے جس میں رب العالمین نے فرمایا کہ بندہ برابر نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ (مرقاۃ المفاتیح)

تیسری خصوصیت ..... نماز تہجد کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ **"مکفرة للسیئات"** کفارۂ سیئات کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اور نماز تہجد بہت بڑی نیکی ہے،

اس سے حق تعالیٰ گناہوں کو مٹاتے ہیں۔"
جیسے پت جھڑ میں تیز و تند ہوا درخت سے سوکھے پتوں کو گرادیتی ہے، اسی طرح نمازِ تہجد گناہوں کو مٹادیتی ہے۔

چوتھی خصوصیت..... اس کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ گناہوں سے بچاتی ہے اور ترکِ معاصی سے تہجد کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور تہجد سے حفظ معاصی کی توفیق ملتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کے متعلق یہ شکایت کی گئی کہ فلاں آدمی رات کو تہجد تو پڑھتا ہے، مگر دن میں چوری کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عنقریب اس کو تہجد کی نماز برائی سے روک دے گی۔" (رواہ احمد)
کیونکہ نماز کی یہی خاصیت ہے کہ اگر اسے صحیح طریقہ پر قائم کیا جائے تو وہ نماز کو برائی سے روکتی ہے۔ غرض نماز اور تہجد سے حفظ معاصی کی توفیق ملتی ہے۔

چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوکر کہنے لگا: حضرت! تہجد کی توفیق نہیں ملتی، کوئی ترتیب بتلائیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دن میں معاصی سے اجتناب کرو تو رات میں تہجد کی توفیق نصیب ہوگی۔ معلوم ہوا کہ ترکِ معاصی اور توفیق تہجد لازم وملزوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرمادیں اور ہم سب کو بلاناغہ نماز تہجد ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

شیطان کا دھوکہ

کنتم خیر امة..... الخ" یہ بہترین امت تھی جو تمام کائنات کے لئے بھلائی پھیلانے اور برائی سے روکنے کے لئے پیدا کی گئی تھی، لیکن وہی امت آج خود ہی جرائم کی عادی ہورہی ہے۔

تو نہیں ہے اس جہاں میں منہ چھپانے کیلئے
تو نمونہ بن کے آیا ہے زمانے کے لئے
تو نہیں ہے وقت غفلت میں گنوانے کیلئے
تو ہے دنیا بھر کے سوتوں کو جگانے کے لئے

ارشاد فرمایا کہ بے پردگی کے مفاسد کو اہل فتاویٰ سے پوچھئے۔ ایک عورت نے خط لکھا کہ میری بہن بے پردہ آتی ہے جاتی تھی، میرے شوہر کا دراس پر آیا، مجھے بھنگن کی طرح ذلیل رکھتا ہے، کوئی تعویذ دیجیے۔
بعض لوگ دل صاف اور نظر پاک یا نظر صاف اور دل پاک کا بہانہ کرتے ہیں، ان سے پوچھتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل اور ان کی نظر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہنے لگے ارے صاحب! کیا کہنا ہے ان کا دل تو پاک اور نظر بھی پاک تھی۔ میں نے کہا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیوں حکم دیا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! پہلی اچانک نظر معاف ہے، مگر خبردار! دوسری نظر مت ڈالنا۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کی نظر اور آپ لوگوں کا دل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ صاف اور پاک ہے۔

دیکھئے! اگر بجلی کا تار ننگا ہو اور پاور ہاؤس سے اس وقت بجلی نہ آرہی ہو تو بھی اس کو عقلمند نہیں چھوتے اور کہتے ہیں کہ ارے بھائی! پاور ہاؤس سے بجلی آنے میں دیر تھوڑا ہی لگتی ہے۔ بس یہی حال نظر کا ہے، ابھی پاک ہے، مگر اسی نامحرم سے جس سے، نظر ابھی پاک ہے، ذرا تنہائی ہو تو ناپاک ہونے میں ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں لگتی۔ جنہوں نے اپنے نفس پر بھروسہ کیا عمر بھر کا تقویٰ اور دین ذرا سی دیر میں غارت ہوگیا۔
(بکھرے موی: ۱۸۲/۵)

اطلاع

مدرسہ ضیاء العلوم کے سفیر جناب حافظ رئیس صاحب اس وقت بھٹکل کے سفر پر ہیں۔ کنگوٹی 10 و 11 مئی۔ منکی 12 مئی۔ مرڈیشور 13 مئی۔ بھٹکل 14 تا 20 مئی تک قیام رہے گا۔ قارئین رضوان سے گزارش ہے کہ جو رقم جمع کرنا چاہیں وہ ان کو رقم دے کر رسید حاصل کرسکتے ہیں۔ موبائل نمبر: 9026905314

محمد رضی الاسلام ندوی

مصر سے مکہ اور کشمیر تک

'جیل' کا لفظ سنتے ہی ذہن میں ایک ایسی جگہ کا تصور آجاتا ہے جس میں آزادیاں مسلوب ہوتی ہیں، اختیارات پر پابندی ہوتی ہے، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ہوتی ہیں، نہ بھی ہوں تب بھی آزادانہ نقل وحرکت کی اجازت نہیں ہوتی۔ انسان مجبور محض اور لاچاری و بے بسی کی مجسم تصویر ہوتا ہے۔

عموماً جیل کے ساتھ سزا کا تصور وابستہ ہے۔ کسی جرم کے ارتکاب کے بعد اس کی سزا کے طور پر انسان کو داخل زنداں کیا جاتا ہے۔ یہ سزا پانے والے کبھی واقعی مجرم ہوتے ہیں، جیسے چور اُچکے، زانی و بدکار، لوٹ کھسوٹ اور کرپشن کرنے والے، کبھی کمزور اور بے قصور افراد ہوتے ہیں، جو جرم بے گناہی میں جیل کی کال کوٹھریوں میں بند کئے جاتے ہیں، کبھی حق کی آواز بلند کرنے والے اور عدل و انصاف کا مطالبہ کرنے والے ہوتے ہیں، جنہیں پابجولاں کیا جاتا ہے اور ان کی آزادی پر پہرے بٹھائے جاتے ہیں۔ جیلوں کی چہار دیواری کے اندر سب طرح کے افراد پائے گئے ہیں۔

ایک جیل کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ یہ جیل سرزمین مصر میں پائی جاتی تھی۔ یہ آج سے چار ہزار برس پہلے کا واقعہ ہے۔ ایک نوجوان کو اس جیل میں ڈال دیا گیا۔ اصلاً اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ تو بہت صالح، ہوشیار، محنتی اور اپنے مالک کا منظور نظر تھا۔ ہوا یہ کہ مالک کی بیوی نے اس پر بری نظر ڈالی اور اس کو ورغلانا چاہا لیکن اس نے صاف منع کردیا۔ بس اس جرم پارسائی کی سزا کے طور پر اسے جیل میں ڈالنے کا فیصلہ سنادیا گیا۔ طاقت اور اقتدار کے مالک اس سے جو گناہ کروانا چاہتے تھے، اس کے مقابلے میں جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری کی سزا اسے ہلکی محسوس ہوئی۔ اس نے گناہ سے اپنا دامن بچالیا اور کئی برس جیل میں کاٹ دیئے۔ بعد میں حالات نے پلٹا کھایا اور جیل سے اس کے باہر آنے کے اسباب پیدا ہوگئے، لیکن اس نے جیل بھیجنے والوں سے اس کے بے قصور ہونے کا اعتراف کروائے بغیر وہاں سے نکلنا گوارا نہ کیا۔ پھر بعد میں تو قدرت الٰہی سے وہ مصر کے سیاہ سفید کا مالک بن گیا۔

دوسری جیل کا تذکرہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ملتا ہے۔ یہ سرزمین عرب میں مکہ کی جیل تھی۔ اس کا زمانہ آج سے چودہ سو برس پہلے کا ہے۔ اس کا نام شعب ابی طالب تھا۔ کہنے کو تو اس کی چہار دیواری نہ تھی، لوہے کا بڑا اور مضبوط گیٹ نہ تھا، جس پر تالے لٹک رہے ہوں، لیکن آبادی سے ہٹی ہوئی یہ گھاٹی جیل ہی کا کام دے رہی تھی۔ جن لوگوں کو اس میں محبوس کردیا گیا تھا وہ دانے دانے کو محتاج ہوگئے تھے۔ انہوں نے انتہائی کسمپرسی کے عالم میں دو چار دن یا دو چار ماہ نہیں، بلکہ تقریباً تین برس کا طویل عرصہ کاٹا تھا۔ ان پر ایسے دن بھی گزرے کہ زندہ رہنے کے لئے انہیں درختوں کی چھال اور پتے تک کھانے پڑے لیکن انہوں نے اپنے دین اور عقیدے کا سودا نہیں کیا، بلکہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ بالآخر آزمائش اور اذیت کے بادل چھٹے، انہیں کھلی ہوا میں سانس لینے کا موقع ملا اور وہ اقتدار کے مالک بنے۔

تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں واقعات میں جن لوگوں نے طاقت اور اقتدار کے نشے میں چور ہوکر کمزوروں کو ستایا تھا، ان کی آزادی چھینی تھی اور ان پر جبر کیا تھا وہ ناکام و نامراد ہوئے اور جن لوگوں کو جیلوں میں ٹھونسا گیا تھا وہ مسند اقتدار تک پہنچے اور اپنی مرضی کے مالک بنے۔

آج ہم اپنی آنکھوں سے ایک تیسری جیل دیکھ رہے ہیں۔

(باقی.....صفحہ.....21.....پر)

ہم اور سیرت النبیؐ کے تقاضے

شائستہ نوشین، حیدرآباد

قرآن مقدس میں جہاں انسانی زندگی کے ہر ایک زاویے کی رہنمائی موجود ہے وہیں تمام معاملات میں فسادات برپا ہونے کے بعد ان میں اصلاح کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اس اصلاح کی ذمہ داری بھی تمام لوگوں پر عائد کی گئی ہے۔ اس ذمہ داری میں بھی کچھ اہم ترین اصولوں کو ذکر کیا گیا ہے جن میں سرفہرست یہ حکم ہے کہ ''اے ایمان والو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں اور تمہارا نہ کرنے والے کاموں کے تعلق سے گفتگو کرنا اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔'' اس اہم ترین نکتے کو اگر ہم اپنے ذہن میں رکھ کر اپنے سماج اور معاشرے کا جائزہ لیں تو ہمیں علم ہوگا کہ ہم میں سے اکثریت اس حکم کی تعمیل سے قاصر ہے۔

مثال کے طور پر صرف ایک چیز پر غور کریں کہ کیا آج کے مسلمانوں میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس موجود ہے؟ آج کے تعلیم یافتہ مسلمان بے حد مضامین اور مقالے لکھ رہے ہیں، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لیکن کیا وہ مضامین اور مقالے کتابی شکل میں شائع ہونے یا سمیناروں میں پڑھنے تک ہی محدود ہیں؟ یا صرف اپنی واہ! واہی کے لئے لکھے جارہے ہیں؟

آج کے دور میں مسلمان جو ہر طرف سے پریشان ہیں علم و دولت و کامیابی ہر چیز میں پیچھے ہیں اُس کی وجہ کیا ہے؟ ہم نہ دنیا کے ہوئے نہ دین کے رہے۔ ایک واقعہ یاد آرہا ہے بیان کرتی ہوں۔ ''ایک بار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم راستہ سے گزر رہے تھے راستہ میں اُنہیں ایک پتھر نظر آیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رک کر اُس پتھر کو کنارے کردیا اور اپنے صحابیوںؓ سے فرمایا کہ اگر راستہ میں تمہیں کوئی رکاوٹ دکھے تو تم اُسے ہٹادو تاکہ تمہارے بعد جو آئے اُسے پریشانی نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایمان کا ایک حصہ قرار دیا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بات پر اتنا عمل کیا کہ کئی سالوں کے بعد ایک یہودی کا گروپ ایک راستے سے گزر رہا تھا، راستہ میں ایک پتھر گرا ہوا دیکھتا ہے تو اُس پتھر کو دیکھ کر بولتا ہے کہ شاید اس راستہ سے مسلمان نہیں گزرا۔'' ماشاء اللہ وہ تھے اسلام و ایمان کے اصلی شیدائی، ایسے مسلمان تھے جن کی مثال یہودی لوگ بھی دیا کرتے تھے۔ آج کہیں بم پھٹ جائے تو کہتے ہیں شاید مسلمان ہی ہوگا، کہیں بھی گولیاں چلتی ہیں تو کہتے ہیں مسلمان ہی ہوگا، کیوں؟ کیونکہ آج کے مسلمانوں کی عادتیں خراب ہوچکی ہیں، وہ صبر و ضبط، وہ اخلاقی اقدار باقی نہیں، بات بات پر غصہ، بے ادبی سے بات، جاہلانہ رویہ غرضیکہ ہمارے اندر سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایک عنصر بھی موجود نہیں ہے۔ آج کے مسلمان صرف سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مضامین، مقالے اور کتابیں تیار کرنے میں مصروف ہیں، عمل سے دور ہوکے رہ گئے، کسی کے اندر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں، بیوی کے حقوق نہ شوہر کے حقوق، نہ رشتے داروں میں محبت نہ پڑوسی کے حقوق، نہ بے زباں جانوروں سے محبت نہ شفقت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم سے بھی اخلاق سے بات کرتے تھے، محبت سے پیش آتے تھے پر آج کے مسلمان بھائی بھائی میں بھی محبت نہیں رہی اپنے ہی فرقوں میں بٹ کے رہ گئے مسلمان۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر فرقہ کے لیے ایک ہی ہے کم سے کم اگر ہم وہی اپنا لیتے، کم از کم مسلمانوں کے اخلاق ایک ہوجاتے تو شاید ہمارے موجودہ صورت حال میں کافی سدھار آجاتا۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مضامین، مقالے، یا کتابیں لکھنا ضروری

نہیں ان سب کی ہمارے پاس کمی نہیں ہے دنیا میں ہر زبان میں بے شمار کتابیں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر موجود ہیں۔ اگر ہمیں اسلام کے لئے کچھ کرنا ہے تو ہمیں اپنے شب و روز میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رچانا بسانا ہوگا۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقالہ نگار خود اپنے کردار اخلاق پر خاص توجہ دیں، تاکہ ان کو دیکھ کر جلسہ یا سیمینار میں شرکت کرنے والے لوگ جو کم علم والے یا جاہل ہی کیوں نہ ہوں، کچھ اسلام کا علم سیکھیں۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کردار سے ظاہر کریں تمام مقالہ نگاروں کے اخلاق تہذیب و کردار سے ہی لوگ سمجھ جائیں یہ مسلمان ہے عمل و کردار سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہو۔ آج کل کے علم والے لوگ ثقیل الفاظ استعمال کرتے ہیں تاکہ اپنی بڑائی دکھا سکیں لیکن ان کے اس عمل سے علم پھیلتا نہیں اُنہیں تک رہ جاتا ہے۔ الفاظ ایسے استعمال کریں کہ جاہل سے جاہل بھی سمجھ جائے اور اسلام کی حقیقت سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت دلوں تک پہنچ جائے۔

عام طور پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ہونے والے سیمیناروں کا حال یہ ہے کہ علماء اور ریسرچ اسکالرز مقالے تو بہت اچھے اچھے لکھ کر لاتے ہیں لیکن ان کے کردار عمل سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نہیں دکھائی دیتی۔ عام طور پر سیمینار میں مقالہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ فوٹو سیشن بھی چل رہا ہوتا ہے۔ سیمینار کے بعد بھی بڑی شخصیات کے فوٹو کھنچوانے میں ہر شخص آگے آگے رہنا چاہتا ہے۔ ایسے سیمیناروں میں شرکت کے لئے کافی کھینچ تان ہوتی ہے۔ گروہ بندیاں اور لابنگ کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ان تمام سماجی خرابی سے ہمیں مکمل طور پر پرہیز کرتے ہوئے اپنے کردار میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بسانا ہوگا، کتابوں میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقالے چھپوانے سے یا سیمینار میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مقالے پڑھنے سے اللہ خوش نہیں ہوتا بلکہ اگر ہم خود کے دل میں اور سارے مسلمانوں کے دلوں میں اور کردار میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بسالیں تو دنیا میں بھی عزت ملے گی اور آخرت میں بھی کامیابی ملے گی۔ ان شاء اللہ۔

بقیہ..... مصر سے مکہ اور کشمیر تک

یہ کشمیر کی جنت نظیر وادی ہے، جسے جیل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ یہ جیل سابقہ دونوں جیلوں سے زیادہ کشادہ اور زیادہ بھیانک ہے۔ مصر کی جیل میں واقعی مجرموں کے ساتھ ایک بے قصور کو رکھا گیا تھا۔ مکہ کی جیل میں ایک خاندان کو محبوس کر دیا گیا تھا۔ جب کہ کشمیر کی جیل میں پوری ایک قوم کو بندی بنا کر رکھا گیا ہے۔ جیل میں آزادانہ نقل و حرکت پر پابندی ہوتی ہے۔ کشمیر میں بھی آزادانہ نقل و حرکت پر پابندی ہے۔ جیل میں قیدیوں کو ایک دوسرے سے رابطہ کی اجازت نہیں ہوتی۔ کشمیر میں بھی ذرائع مواصلات کاٹ دیے گئے ہیں۔ جیل میں پولیس کا پہرہ رہتا ہے۔ کشمیر میں بھی پولیس اور نیم فوجی دستوں کے ساتھ بڑی تعداد میں فوج لگا دی گئی ہے۔ جیل میں قیدی حکومتی کارندوں کے رحم و کرم پر رہتے ہیں۔ وہ جن بنیادی سہولیات سے چاہیں محروم کر دیں اور جن انسانی حقوق کو چاہیں چھین لیں۔ کشمیری بھی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں اور ان کے انسانی حقوق دھڑلے سے پامال کئے جا رہے ہیں۔ کشمیر کی جنت نما سرزمین جہنم زار بنی ہوئی ہے۔ بیرونی دنیا سے ان کا رابطہ منقطع ہے اور کچھ خبر نہیں کہ ان کے ساتھ کیا بیت رہی ہے اور ظلم و جبر کی یہ رات ابھی اور کتنی دراز ہوگی۔ بہر حال تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ انسانوں کی آزادیوں پر قدغن لگانے والے کبھی کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ دیر سویر ان کے جبر کی بساط لپیٹ دی گئی ہے۔ قید و بند کی مشقت جھیلنے والے طاقت و قوت کے مالک بنے ہیں اور مسند اقتدار تک پہنچے ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ اپنے موقف پر جمے رہیں اور ظالموں سے کسی مصالحت پر آمادہ نہ ہوں۔ طاقت و قوت، عزت و سربلندی اور اقتدار کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے، اس سے محروم کر دیتا ہے۔ ظالموں کو یہ نوشتۂ تاریخ پڑھ لینا چاہئے، اس سے پہلے کہ اس کا وقت نکل جائے اور ہاتھ ملنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکیں۔

مولانا شمس نوید عثمانی

حق ادا کرو!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث کا میں اپنے الفاظ میں مطلب یہ سمجھا ہوں۔ حساب کے دن ایک شخص کو احکم الحاکمین کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ عمر بھر سجدے کئے تھے، ماتھے پر بڑا سا گٹھ پڑ گیا تھا۔ تسبیحات پڑھتے عمر گزری بھی مگر مالک کے مزاج کو نہ سمجھا نہ پہچانا آدمی سے محبت نہیں کی، اس کی سب سے محبوب مخلوق۔

تو جانتے ہو کیا ہوگا؟

اللہ پوچھے گا۔ ''تم کون ہو؟'' تم میرے کیسے دوست ہو؟ ''میں بھوکا تھا میں نے روٹی مانگی تھی۔ تم نے روٹی نہ دی۔''

کہا ''پروردگار! یہ کیا سن رہا ہوں؟ میں نے تو یہ پڑھا تھا کہ تو کھلانے والا ہے۔ کھاتا نہیں۔''

لیجئے قلعی کھل گئی علم کی۔

جواب ملے گا۔ ''ہاں۔ لیکن وہ میرا بندہ جو بھوکا تھا تم نے اسے روٹی کیوں نہ بھیجی؟ اگر اسے دیتے تو آج اسے میرے پاس پاتے۔''

میں اس حدیث کا مطلب یہ بھی سمجھتا ہوں:

اللہ تعالیٰ ہم لوگوں سے پوچھے گا۔ ''میں بھٹک رہا تھا تم نے مجھے راستہ نہیں بتایا؟''

لوگ کہیں گے ''پروردگار! آپ کب بھٹکتے ہیں؟''

فرمائے گا: ''میرے بندے بھٹک رہے تھے اور قرآن شریف کا روحانی رزق تمہارے پاس تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی زندہ تصویر تمہارے پاس تھی۔ کتنے انسان تھے۔ ست پُرش کو ڈھونڈ رہے تھے۔ علم تلاش کر رہے تھے۔ وہ جو بھٹک رہی تھی ایک قوم اور علم کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ اگر تم اسے دیتے تو آج میرے ہاتھ میں پاتے۔''

علم بغیر استاد کے بیکار ہے۔ تمہارے پاس قرآن کا علم ہے اسے اللہ کے رسول سے سیکھو ان کی سنت سے سمجھو۔

ہمارے ساتھ رہنے والی قوم ہمارے پڑوسی مذہب کو ماننے والی قوم کے پاس بھی گیان کی ایک کتاب ہے۔ لیکن بغیر گرو کے گیان کچھ نہیں کر سکتا اس قوم کے مذہب میں لکھا ہے گرو (साक्षात लक्षण) ہوتا ہے۔ دھرم کی عملی تصویر ہوتا ہے ست پُرش ہوتا ہے، ان کے مذہب میں یہ خرابی پیدا ہوگئی کہ ان کا پیغمبر کھو گیا۔ ہندوؤں کو یہ نہیں معلوم کہ پہلا پیغمبر کون تھا ان کا۔ نہایت دھارمک قوم ہے نہایت اعلیٰ درجے کی قربانی دینے والی۔ تم تو وضو کرتے ہو صبح کو وہ بھی کبھی کبھی، وہ رات کو اشنان کرتے ہیں۔ جو ہندو ہیں وہ بت کے لئے رات کو اٹھتے ہیں۔ تین بجے۔ اور تم خدا کے لئے صبح کو نہیں اٹھتے؟ ہمارے پاس اور تو کچھ ہے نہیں۔ ایک کلام ہے خدا کا اور تو سب ہم کھو چکے۔ کم از کم یہ ان انسانوں تک پہنچا دو جو اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ ان کی مدد سے ان کا رسول ڈھونڈ کر دے دو انہیں، تین بجے اٹھنے والی قوم کو اگر اس کے پیغمبر کی حقیقت معلوم ہو جائے، اپنے کلمے کی حقیقت معلوم ہو جائے اور یہ پتہ چل جائے کہ ان کا اصلی خدا کون ہے تو جو نقلی خدا کے اصلی بندے بن سکتے ہیں، وہ اصلی خدا کے کیسے اعلیٰ درجہ کے بندے ہوں گے۔

جس کی دعوت کرنا ہو اسی کے کھانے کو تیار رکھنا پڑے گا۔ بکری کو کھلانا ہو تو کیا گوشت دو گے؟ ہر ایک کی غذا الگ ہے۔ ہر قوم کا دھارمک بھوجن (स्वभाव) اور مزاج الگ ہے۔

اس قوم کا ایک مزاج ہے اگر ان کو یقین ہو جائے کہ کوئی ان کے گیان کو جانتا ہے اور اتنا جانتا ہے کہ اس کو اصلی گیان ہے، تو گیان کے آگے سر ٹیک دیتے ہیں۔ قدر دان کا معاملہ ہے ناقدری نہیں کریں گے، مگر یہ ضرور دیکھیں گے کہ پریم سے کر رہا ہے یا کاروبار کر رہا ہے، اخلاص کے بغیر نہ خدا قبول کرتا ہے نہ بندہ۔ نشکام یوگ (بے لوث قربانی) چاہئے۔ اسکام یوم (بدلے کی تمنا کے ساتھ قربانی) پر لعنت۔ بندے کی طرف سے بھی اور خدا کی طرف سے بھی خلوص کا یقین دلانا ہوگا لیکن جب ہوگا تو دلاؤ گے۔

قرآن سارے مذہبوں کو دھونے والا ہے۔ ہر دھونے والے کا احسان مانا جاتا ہے، اس دھونے والے کا نہیں مانتے؟ کیونکہ ہم نے ثابت ہی کب کیا ہے کہ دوسروں کو دھویا اس نے۔ کسی کے گیان کو دھو کر تو دکھاؤ، جبھی تو کہے گا تم نے دھویا۔ اپنے ہی کپڑے دھو رہے ہو دھو کر دکھاؤ کہ ''ایک ایوم ادویتیم'' (ایک ہے اور دوسرے کی شرکت کے بغیر ہے) کیا ہے؟ یہ برہم سوتر کہلاتا ہے۔ کلمہ کہلاتا ہے۔ ہم مسلمان کلمے کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتے آپ ہندو کیسے ہو گئے؟ اگر میں لا الہ الا اللہ کا انکار کروں، کافر ہو جاؤں گا۔ تم اپنے کلمے کو مانے بغیر ہندو کیسے ہو؟

میں نے ایک ہندو بھائی سے کہا: ''ایک برہم دوستیہ ناستے۔ نیہہ۔ نا۔ ناستے کنچن'' (ایک ہی خدا ہے دوسرا نہیں۔ نہیں ہے۔ ذرا سا بھی نہیں ہے) پہلے اس پر ایمان لاؤ جبھی تو ہندو ہو گے۔ یہ تو وید کا کلمہ ہے۔ اور ہم اسے پڑھ رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا اسے پڑھتا ہوں۔ ''ایکم برہم.....'' اب میں اسے دوسری بھاشا میں پڑھتا ہوں۔

There is no God but God is one without second

میں نے کہا میں پھر اسے ایک اور بھاشا میں پڑھتا ہوں۔ ''لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ'' میں نے تین زبانوں میں خدا کی گواہی دی۔ تین بار انعام ملے گا۔ مفتی الیاس صاحب بیٹھے تھے انہوں نے بھی پڑھا، مولانا اسماعیل بیٹھے تھے انہوں نے بھی پڑھا۔ اب میں نے اس ہندو بھائی سے کہا۔ ''کیا اس میں کوئی فرق ہے۔'' کہا ''کچھ نہیں'' میں نے کہا ''کیا آپ بھی عربی میں پڑھ سکتے ہیں؟ جیسے ہم نے ڈٹ کر سنسکرت میں پڑھا'' اس نے کہا: ''کیوں نہیں؟'' اس نے کلمہ پڑھا۔

آج کا نوجوان کھلے ذہن کا ہے لیکن علم کی روشنی میں گیان کی بات کرو۔ قرآن سے دھو کر ثابت کرو۔

میں ایک ہندو گیانی کے پاس گیا، میں نے کہا: آپ کے پاس لوگ مورتیاں دیکھنے آتے ہیں یا ترا پر۔ بتایئے ہمارے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ ہم کس لئے آئے ہیں؟ ہم بھی ایک مورتی کی وجہ سے آئے ہیں۔''

کہنے لگے ''آپ کے یہاں تو مورتی نہیں مانی جاتی۔''

میں نے کہا ''آپ خود مٹی سے بنے ہیں۔ یہ خدا نے آپ کی مورتی بنائی ہے۔ میں اپنے خدا کی بنائی ہوئی مورتی کے درشن کرنے آیا ہوں۔ آپ کے دھرم میں یہ حکم ہے کہ ناک کے اگلے حصہ پر نگاہ جماؤ اور کسی طرف نہ دیکھو۔ ہر اُس جگہ دیکھا جا رہا ہے جہاں منع کیا گیا تھا اور اس جگہ دیکھنے کو تیار نہیں جہاں کہا گیا تھا۔''

میں نے کہا ''ہم سجدے میں اسی ناک کی طرف نگاہ جماتے ہیں۔ اپنی مورتی کو دیکھ کر وہ مورتی کا ریاد آتا ہے یہ پورا برہمانڈ (سنسار) خدا کا ایک مندر ہے، مسجد ہے۔ جو چاہیں کہہ لیں اس میں خدا کی بنائی ہوئی مورتیاں ہیں۔ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ ہم جو بنائیں گے اسے دیکھ کر ہم یاد آئیں گے۔ ہر چیز اپنے بنانے والے کی یاد دلاتی ہے۔ اس خدا کی بنائی ہوئی اپنے جسم کی مورتی کی ناک کے اگلے سرے پر نگاہ جما کر ہم یہ سوچتے ہیں کہ اے اس زندہ مورتی کو بنانے والے مورتی کار ہمارا پوجیہ (معبود) تو تُو ہے اور اس کو پون (ہوا) سے پالنے والے۔ ہمارا پروردگار تو تُو ہے اور اس ہوا کے روک کر مارنے والے تو ہی جان کا مالک ہے۔ تو ہی ہمارا برہما ہے۔ ہمارا پیدا کرنے والا ہے۔ ہمارا وشنو بھی تو ہی ہے ہمیں پالتا ہے، اور تو ہی ہمارا سنہرتا (مارنے والا)۔ تیرے ہی ہاتھ میں پیدائش تیرے ہی ہاتھ میں زندگی، تیرے ہی ہاتھ میں موت۔

یہ جو کہا تو ان پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔

جس پڑوسی کا حق ادا نہیں کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ مسلمان نہیں۔ پالنے کے مکلف ہم نہیں ہیں لیکن جو ہم کر سکتے تھے وہ کریں۔ ایک روٹی ہے تو آدھی واجب ہو گئی۔ اگر صرف ایک کلمہ کی بات بتانے کی طاقت ہے تو اتنا ہی کر دیں۔ اگر اتنا کر سکتے ہیں کہ دو چار ویدانت کی گتھیاں کھول دیں تو یہ کریں۔ لیکن اگر آپ اپنے لئے صحیح کر رہے ہیں اور پڑوسی کو نہیں دے رہے تو آپ کی آدھی روٹی حرام ہو گئی۔ پڑوسی میں مذہب کی قید نہیں۔ قومیں تو ہوں کو پڑوسی ہوتی ہیں۔ مذہب مذہب کا پڑوسی ہوتا ہے۔ پوری دنیا تمہاری طرف دیکھ رہی ہے کہ حق ادا کرو۔

○○○

ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمن العریفی۔ اردو قالب: حافظ قمر حسن

جہنم سے بچانے والے اعمال

ارکان اسلام کی ادائیگی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ محو سفر تھے کہ ایک بدو راستے میں آیا۔ اُس نے آپ کی اونٹنی کی مہار تھام لی اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یا کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے وہ عمل بتایئے جو مجھے جنت کے قریب کردے اور نارِ جہنم سے دور کردے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی ٹھہرائی اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''اس کو توفیق دے دی گئی۔'' یا فرمایا: ''اس کو سیدھے راستے کی ہدایت دے دی گئی۔'' بدو سے فرمایا: تم نے کیا کہا؟''

بدو نے وہی بات دہرائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ صلہ رحمی کرو۔'' پھر فرمایا: ''اونٹنی کو چھوڑ دو۔'' (صحیح مسلم، حدیث: ۱۳)

مسلمان کی عزت کا دفاع

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''جس نے اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اُس کی عزت کا دفاع کیا، اللہ تعالیٰ پر واجب ٹھہرتا ہے کہ وہ اُسے نارِ جہنم سے آزاد کردے۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۴/۱۷۶)

بخار: بیماری آزمائش کا حصہ ہے اس سے ایک تو آدمی کے گناہ معاف ہوتے ہیں، دوسرے اُسے ثواب بھی ملتا ہے۔ بخار سے بھی مسلمان کے گناہ جھڑتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے: ''بخار جہنم کی دھونکنی ہے۔ مومن کو جتنا بخار ہوتا ہے، وہ جہنم میں سے اُس کا حصہ ہے۔'' (مسند احمد و سنن ابن ماجہ، حدیث: ۳۴۷۵)

خوش اخلاقی: ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''کیا میں تمہیں اُس آدمی کے متعلق نہ بتاؤں جو نارِ جہنم اس پر حرام ہے یا پھر جس پر نارِ جہنم حرام ہے؟ (نارِ جہنم) ہر ایسے آدمی پر (حرام ہے) جو یگانہ ہے، خوشگوار ہے، نرم خو اور نرم مزاج ہے۔'' (جامع الترمذی، حدیث: ۲۴۸۸)

سیدھی بات اور ضرورت سے زائد اشیاء کا صدقہ: ایک بدو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے عرض کیا: ''مجھے وہ عمل بتایئے جو مجھے جنت کے قریب اور جہنم سے دور کردے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا یہی دونوں باتیں تم کو یہاں لائی ہیں؟'' اُس نے جواب دیا کہ جی ہاں۔ فرمایا: ''بخدا! میں ہر وقت سیدھی بات نہیں کہہ سکتا اور ضرورت سے زائد اشیاء بھی نہیں دے سکتا۔'' فرمایا: ''پھر کھانا کھلاؤ اور سلام کو عام کرو۔'' وہ بولا: ''یہ بھی مشکل ہے۔'' فرمایا: ''کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''جی ہاں۔'' فرمایا: ''ایسا کرو، اپنا ایک اونٹ لو۔ اُس پر پانی کی چھاگل رکھو اور ایسا گھر تلاش کرو جنہیں روز پانی نہیں ملتا۔ انہیں پانی پلاؤ۔ عین ممکن ہے کہ اُس اونٹ کے مرنے اور چاگل کے پھٹنے سے پہلے تمہارے لئے جنت واجب ہوجائے۔''

وہ بدو تکبیر کے نعرے بلند کرتا رخصت ہوا۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ اُس کا اونٹ مرتا اور اُس کی چھاگل پھٹتی، وہ جام شہادت نوش کرگیا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۹/۱۸۸)

اولاد کے مرنے پر صبر

مصائب آدمی کے گناہوں کو مٹاتے اور اُس کے درجات کو بلند کرتے ہیں۔ اولاد کا مرنا بھی بڑی مصیبت ہے یہ زخم کبھی مندمل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جسے یہ زخم پہنچتا ہے، وہ نارِ جہنم سے محفوظ رہتا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''جس آدمی کی تین اولادیں فوت ہوئیں اور اُس نے ثواب کی امید پر صبر کیا، اُس کی وہ تینوں

اولادیں نارجہنم کے مقابل اُس کی ڈھال بن جائیں گی۔'' (الآحاد والمثانی لابی بکر الشیبانی، حدیث:۲۱۶۶)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''آپ میں سے جس خاتون کے تین بچے وفات پاگئے ہیں، وہ نارجہنم کے مقابل اُس کی ڈھال بن جائیں گے۔'' ایک عورت نے عرض کیا: ''اور دو بھی؟'' فرمایا: ''اور دو بھی۔'' (صحیح بخاری، حدیث:۱۰۱)

صبر و ضبط سے بیٹیوں کی پرورش: زمانۂ جاہلیت کے لوگ بیٹیوں کی پرورش سے دور بھاگتے تھے۔ وہ اسے بہت ناپسند کرتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ بیٹا تو باپ کا سہارا بنتا ہے۔ اُس کا نام زندہ رکھتا ہے جب کہ بیٹی بیاہ کر دوسرے گھر جاتی، اپنے شوہر کا گھر بساتی اور اپنی اولاد میں مگن ہوجاتی ہے۔ یوں اُس کی پرورش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام آیا تو اُس نے ان جاہلی خیالات کا خاتمہ کیا، بیٹے کی طرح بیٹی کو بھی اُس کے تمام حقوق دیے۔ اُس نے بیٹیوں کی پرورش کو زیادہ افضل قرار دیا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''جس کے تین بیٹیاں یا تین بہنیں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہیں۔ وہ اُن کے متعلق اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا اور اُن سے اچھا سلوک کرتا ہے تا آنکہ وہ بیاہ کر چلی جاتی یا وفات پاجاتی ہیں، وہ نارجہنم کے مقابل اُس کی ڈھال بن جائیں گی۔'' (مسند احمد:۶/۲۷)

نارِ جہنم سے نجات دینے والے مختلف اعمال: تمام اعمال صالحہ جنت کی طرف لے جاتے اور نارجہنم سے نجات دلاتے ہیں، تاہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مفید سوالات کیا کرتے تھے جن سے بالخصوص اُن اعمال کی رہنمائی ملتی ہے جو نارجہنم سے نجات دلاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ایمان باللہ۔'' پوچھا: ''یا نبی اللہ! ایمان کے ساتھ کوئی عمل بھی ہے؟'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اُسے جو رزق عطا کیا ہے، اُس میں سے کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں تیار ہے۔'' پوچھا: ''یارسول اللہ! اگر وہ غریب ہو اور خرچ کرنے کو اُس کے پاس کچھ نہ ہو تو؟'' فرمایا: ''تب وہ اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔'' پوچھا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہ بے بس ہو، اچھائی کا حکم نہ دے پائے اور برائی سے نہ روک پائے تو؟'' فرمایا: ''تو پھر وہ بے ہنر آدمی کا کام کرے۔'' پوچھا: ''اگر وہ خود بے ہنر ہو اور کوئی کام نہ کرپائے تو؟'' فرمایا: ''پھر مظلوم کی مدد کرے۔'' پوچھا: ''اگر وہ کمزور ہو اور مظلوم کی مدد بھی نہ کرپائے تو؟'' فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے تم اُس آدمی میں کوئی بھلائی باقی نہیں چھوڑنا چاہتے۔ پھر وہ یہ کرے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دے۔'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہ یہ کام کرے تو جنت میں جائے گا؟'' فرمایا: ''جو آدمی ان اعمال میں سے کوئی بھی عمل انجام دے گا، وہ عمل اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے جنت میں لے جائے گا۔'' (المعجم الکبیر، حدیث:۱۶۵۰)

ذکر الٰہی کی مجالس: ذکر الٰہی کی مجالس جن میں بھلائی کی باتیں بتائی جاتی ہیں، جن میں علم و دانش کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ ایسی مجالس بھی نارجہنم سے نجات دلانے کا باعث بنتی ہیں۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے راستوں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ وہ اہل ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔ جب وہ ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو اللہ کا ذکر کررہے ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہیں کہ آجاؤ اپنی مطلوبہ شے کی طرف۔ چنانچہ وہ فرشتے ذکر کرنے والوں کو آسمان دنیا کی بلندی تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ اُن کا رب اُس سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ اُن سے زیادہ جانتا ہے: ''میرے بندے کیا کہتے ہیں؟'' فرشتے جواب دیتے ہیں: ''وہ تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ تجھے سب سے بڑا بتاتے ہیں۔ تیری حمد کرتے ہیں۔ تیری بڑائی بیان کرتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''کیا انہوں نے مجھ کو دیکھا ہے؟'' فرشتے جواب دیتے ہیں: ''نہیں، واللہ! انہوں نے تجھ کو نہیں دیکھا۔'' اللہ

تعالیٰ کہتا ہے: ''اگر وہ مجھ کو دیکھ لیں تو؟'' فرشتے کہتے ہیں: ''اگر وہ تجھ کو دیکھ لیں تو تیری عبادت اس سے کہیں زیادہ کریں۔ تیری بڑائی اور تیری پاکیزگی اس سے کہیں زیادہ بیان کریں۔'' اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟'' فرشتے جواب دیتے ہیں: ''وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟'' فرشتے کہتے ہیں: ''نہیں، واللہ! یارب! انہوں نے جنت نہیں دیکھی۔'' اللہ فرماتا ہے: ''اگر وہ جنت دیکھ لیں تو؟'' فرشتے عرض کرتے ہیں: ''اگر وہ جنت دیکھ لیں تو اس سے کہیں زیادہ اشتیاق ظاہر کریں۔ اُسے اس سے کہیں زیادہ طلب کریں۔ اس سے کہیں زیادہ اُس کی رغبت رکھیں۔'' اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''وہ کس شے سے پناہ چاہتے ہیں؟'' فرشتے عرض کرتے ہیں: ''وہ نارِ جہنم سے پناہ چاہتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''کیا انہوں نے نارِ جہنم دیکھی ہے؟'' فرشتے کہتے ہیں: ''نہیں، واللہ! انہوں نے نارِ جہنم نہیں دیکھی؟'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اگر وہ اُسے دیکھ لیں تو؟'' فرشتے عرض کرتے ہیں: ''اگر وہ اُسے دیکھ لیں تو وہ نارِ جہنم سے اس سے کہیں زیادہ متنفر ہوں۔ اس سے کہیں زیادہ اُس کا خوف کھائیں۔''

تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تو میں تمہیں اس پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں معاف کردیا۔'' ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: ''اُن میں فلاں بھی ہے جو اُن میں سے نہیں، وہ تو کسی کام سے آیا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وہ ایسے ہم نشیں ہیں کہ ان کی بدولت ان کا ہم نشیں نامراد نہیں رہتا۔'' (صحیح بخاری، حدیث: ۶۴۰۸)

باقیات صالحات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَاباً وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا۔

''اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے ہاں ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہت بہتر ہیں۔'' (سورہ مریم: ۷۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اپنی اپنی ڈھالیں لو۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! کیا کوئی دشمن آنے والا ہے؟'' فرمایا: ''نہیں، نارِ جہنم کے مقابلے میں اپنی ڈھالیں لو۔ کہو: سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر۔ روزِ قیامت کو یہ الفاظ نجات دلانے کے لیے آگے آگے آئیں گے۔ یہی ہیں ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیاں۔''

ذرا ٹھہریے!

''سچا مسلمان پناہ طلبی ہی پر اکتفا نہیں کرتا۔ وہ ایسے اعمال بھی انجام دیتا ہے جو نارِ جہنم سے نجات دلاتے ہیں۔'' ○○

गजलिस तहक़ीक़ात व नशरियाते इस्लाम की हिन्दी पुस्तकें		
किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मौ0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के किस्से 1,2	"	120.00
नबी–ए–रहमत	"	250.00
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक)	"	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की	"	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	"	80.00
मदीने की डगर	"	70.00
मानवता का संदेश	"	50.00
मानवता का स्तर	"	50.00
अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के	"	25.00
इस्लाम एक परिचय	"	40.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम क़िदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मो0 असद	50.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मो0 राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ–ए–रमजान	"	40.00
हमारे हुजूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी	मौलाना इल्यास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	"	220.00
	Total	1635.00
	Rate After Disc & Including Postal Charges	1000.00

Ph.: 0522-2741539, A/c : 30863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125

عبدالمالک مجاہد

اللہ کی پناہ میں

بہادری و جوانمردی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر ابتلا و آزمائش پر صبر و تحمل ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے۔ یہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کا دل و دماغ اس بات سے مطمئن ہونے کو پل بھر کے لیے بھی تیار نہیں تھا کہ یہ خود آرام و آسائش کی زندگی گزاریں اور ان کے دوسرے مسلمان بھائی اللہ کی راہ میں ظلم و ستم سہتے رہیں۔ انہوں نے اپنے ایمان کے بارے میں کبھی بھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا، بلکہ ولید بن مغیرہ کی پناہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ گئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مختلف سزاؤں کا سامنا کرنے لگے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور پھر وہاں سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ کر مکہ مکرمہ میں ولید بن مغیرہ کی پناہ لے لی تھی۔ چونکہ وہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں آ چکے تھے اس لئے وہ مکہ کی گلیوں میں آرام سے گھومتے پھرتے، انہیں کوئی آنکھ دکھانے والا نہیں تھا۔ وہ بالکل اطمینان کے ساتھ جہاں چاہتے جاتے۔ اس کے برعکس دوسرے کمزور مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کفار مکہ انہیں طرح طرح کی سزائیں دیا کرتے اور ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑتے کہ ظلم و جور کی تاریخ میں دور دور تک اس کی مثال نہیں ملتی۔

جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کی بے بسی اور ان پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کو دیکھا تو ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ اب انہیں اپنے سکون و اطمینان کو آگ سی لگتی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگے:

"وَاللّٰہِ اِنّ غدوی و رواحی آمنا بجوار رجل من ابل الشرك و اصحابی و ابل دینی یلقون من البلاء و الاذی فی اللہ ما لا یصیبنی لنقص کبیر فی نفسی۔"

''اللہ کی قسم! میرے ایک مشرک کی پناہ میں آرام سے صبح و شام کرنا: جب کہ میرے دوسرے مسلمان بھائی اللہ کی راہ میں ابتلا و آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں جس سے میں محفوظ ہوں، یہ چیز میرے دین میں ایک بڑے نقص کی نشاندہی کرتی ہے۔''

وہ فوراً ولید بن مغیرہ کی خدمت میں پہنچے اور گویا ہوئے:

"یا ابا عبد شمس! وفت ذمتك و قدرددت الیك جوارك۔"

''ابوعبدالشمس! آپ نے مجھے جو پناہ دے رکھی تھی اس کا حق آپ نے ادا کر دیا، اب میں یہ پناہ آپ کو واپس کرتا ہوں۔''

وہ کہنے لگا: ''آخر کیوں میرے بھتیجے؟ لگتا ہے میری قوم کے کسی فرد نے تجھے کوئی تکلیف دی ہے؟

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"لا، ولکنی ارضی بجوار اللہ عز و جل، ولا ارید ان استجیر بغیرہ۔"

''ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ میں اب اللہ عزوجل کی پناہ میں جانا چاہتا ہوں، مجھے اس کے سوا کسی کی پناہ منظور نہیں۔''

ولید بن مغیرہ نے کہا:

"فانطلق الی المسجد فاردد علی جواری علانیة کما اجرتك علانیة"

''تو پھر مسجد حرام میں چل کر میری پناہ برسرعام واپس کرو جیسے کہ میں نے تمہیں برسرعام پناہ دی تھی۔''

اس کے بعد دونوں بیت اللہ میں پہنچے۔ ولید بن مغیرہ نے لوگوں کے سامنے اعلان کیا: یہ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو میری پناہ واپس کرنے کے لئے آئے ہیں۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی لوگوں کے سامنے ولید بن مغیرہ کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا: ہاں ولید بن مغیرہ سچ کہہ رہے ہیں، بلاشبہ انہوں نے مجھے جو پناہ دی تھی اس کو پوری طرح سے نبھایا، مجھے ان کی وفاداری کا احساس ہے، مگر اب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے سوا کسی کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ میں ان کی

پناہ انہیں واپس کر رہا ہوں۔"

ولید بن مغیرہ کی پناہ واپس کرنے کے بعد حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کی ایک مجلس میں آئے۔ اس وقت لبید بن ربیعہ (اسلام لانے سے قبل) قریش کے سامنے یہ شعر پڑھ رہا تھا:

"الا کل شئ ما خلا اللہ باطل۔" "اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے، باطل (بے کار) ہے۔"

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم نے سچ کہا۔ پھر لبید بن ربیعہ نے کہا:

"وکل نعیم لا محالة زائل۔"

"اور ہر نعمت ضرور ہی ختم ہو جانے والی ہے۔"

اس پر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: **"کذبت، نعیم الجنة لا یزول۔"**

"تو جھوٹ کہتا ہے، جنت کی نعمت کبھی ختم نہیں ہوگی۔"

اب لبید بن ربیعہ کو غصہ آ گیا اور قریش کے سامنے کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ کون آدمی کا جو تمہارے مہمان ساتھی کو تکلیف دہ باتیں کہنے لگا؟ یہ تم میں کہاں سے آ گیا؟ اس کے جواب میں حاضرین میں سے ایک آدمی نے کہا:

لبید! یہ ان احمقوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمارا دین چھوڑ کر محمد کا دین اختیار کر لیا ہے۔ اس لئے آپ کو اس بیوقوف کی بات سے کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے۔

اس پر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی غصہ آ گیا اور انہوں نے بھی سخت لہجے میں اس کا جواب دیا اور تو تو میں میں ہونے لگی۔ وہ آدمی (جس نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو احمق اور بے وقوف کہا تھا) اٹھا اور کھینچ کر ایک زناٹے دار تھپڑ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے پر سید کر دیا جس سے ان کی آنکھ پر نشان پڑ گیا۔ ولید بن مغیرہ قریب ہی تھا اور یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت دیکھ کر کہا:

"اما واللہ! یا ابن اخی ان کانت عینك عما اصابها لغنیة، ولقد کنت فی ذمة منیعة۔"

"میرے بھتیجے! اللہ کی قسم! تیری آنکھ کو ابھی جو کچھ ہوا ہے، اگر تو میری پناہ میں ہوتا تو اسے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ ایک مضبوط پناہ میں تھا۔"

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

"بل واللہ! ان عینی الصحیحة لفقیرة الی مثل ما اصاب اختها فی اللہ عزو جل، و انی لفی جوار من هو اعز منك واقدر یا ابا عبد شمس۔"

"بلکہ اللہ کی قسم! میری سلامت آنکھ بھی اسی قسم کی آزمائش کی متمنی ہے جس سے میری یہ آنکھ دوچار ہوئی ہے۔

(اے ابو عبد شمس!) اب میں اس ہستی کی پناہ میں آ چکا ہوں جو تم سے کہیں زیادہ طاقتور اور کہیں زیادہ قدرت رکھنے والی ہے۔"

ولید بن مغیرہ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت زار دیکھ کر ان سے پھر کہا: **"بلم یا ابن اخی! ان شئت فعد الی جوارك۔"** "بھتیجے! اگر تم چاہو تو اپنی (سابقہ) پناہ کی طرف لوٹ آؤ، میں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں کہا: نہیں، میں تمہاری پناہ سے نکل کر اللہ کی پناہ میں آ چکا ہوں، اب مجھے کسی کی پناہ نہیں چاہئے۔ (دیکھئے: السیرۃ الشامیۃ: 490/2، الروض الانف 157/2)

(نوٹ: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ آپ سے پہلے صرف تیرہ آدمی ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے سائب کے ساتھ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ مہاجرین میں سب سے پہلے مدینہ منورہ میں وفات پانے والے اور بقیع قبرستان میں دفن کئے جانے والے آپ ہی تھی۔ امام ترمذی نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وفات کے بعد بھی بوسہ دیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ جب ابراہیم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الحق بسلفنا الصالح عثمان بن مظعون۔"

"ہمارے گزرے ہوئے نیک شخص عثمان بن مظعون سے جا ملو۔" (دیکھئے: الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ 464/2)

○○○

ادارہ

رنج والم نہ شرعاً مطلوب ہے نہ اصلاً مقصود

رنج والم سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، فرمایا: ''نہ کمزور بنو نہ غم کرو۔'' (3:139) متعدد جگہ یہ کہا گیا: ''ان پر افسوس نہ کیجئے۔'' (4009) ایک جگہ کہا گیا: ''نہ ان پر خوف ہوگا نہ وہ غم کریں گے۔'' (2:38)

حزن کیا ہے؟ طلب کے شعلے کا ٹھنڈا پڑنا، ہمت میں فتور پیدا ہونا۔ حرارت کم ہوجانا۔ یہ ایسا بخار ہے جو زندگی کو شل کردیتا ہے۔ اس کا راز کیا ہے؟ حزن کوئی اچھی علامت نہیں، نہ اس میں دل کی مصلحت ہے۔ شیطان کو یہ بہت پسند ہے کہ بندے کو غمگین کرکے اسے راستے سے روک دے اور منحرف کردے جیسا کہ فرمایا: ''بری) سرگوشی شیطان کی طرف سے ہے تاکہ اہل ایمان غمگین ہوجائیں۔'' (10:58)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ ''تین لوگوں میں دو تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشیاں کرنے لگیں۔'' کیونکہ اس سے اس کو رنج ہوگا۔ مسلمان حزن میں مبتلا ہو یہ شریعت نہیں چاہتی کیونکہ اس کا برا اثر روح پر پڑتا ہے۔ مسلمان سے تو شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ حزن و ملال کو پاس نہ آنے دے اس کا مقابلہ کرے اور اچھے ذرائع سے اس پر غلبہ پالے۔ حزن وملال نہ مطلوب ہے نہ مقصود۔ نہ اس میں کوئی فائدہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا:

''اے اللہ میں حزن و ملال اور تفکرات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

رنج وفکر میں فرق یہ ہے کہ اگر مستقبل کی فکر پریشان کرتی ہے تو اسے ''ہم'' کہتے ہیں اور ماضی کی غمناک بات ہو تو وہ ''حزن'' کہلاتی ہے۔ دونوں ہی باتیں آدمی کو آگے بڑھنے سے روکنے والی ہیں۔ حزن سے زندگی مکدر ہوتی ہے۔ یہ ایسی زہر ناک چیز ہے کہ روح میں فتور، حیرت اور ملال پیدا کرتی ہے۔ کتنی ہی خوبصورت شئے کا سامنا ہو، اس کے سبب وہ بھی تاریک لگے گی۔ زندگی کی ساری خوشی و مسرت، حسرت وندامت اور المناکی سے بدل جاتی ہے۔ ہاں اگر حزن وملال لاحق ہی ہوجائے جیسا کہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے تو اسے دعاؤں سے اور مناسب ذرائع کے استعمال سے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے لاحق ہوجانے پر بندے کو ثواب ملے گا کیونکہ یہ فطری چیز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جنتی جنت میں داخلے کے وقت کہیں گے کہ "**الحمد لله الذي اذهب عنا الحزن**" اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں ان کو حزن لاحق ہوا کرتا تھا جیسا کہ اکثر ایسے مصائب آتے ہیں جن پر آدمی کا اختیار نہیں ہوتا۔

البتہ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آیات و احادیث میں تو حزن کی تعریف کی گئی ہے۔ مثلاً قرآن میں آیا ہے:

''اور نہ ان پر کوئی حرج ہے جو جنگ میں جانے کے لیے آپ کے پاس آئے مگر سواری نہ ہونے کی تو وہ حزن و ملال کے مارے آنکھوں میں آنسو لیے واپس ہوگئے۔'' (9:92)

تو بات یہ ہے کہ یہاں نفس حزن کی تعریف نہیں بلکہ حزن کی یہ کیفیت ان مومنین کی قوت ایمانی پر دلیل تھی اس پر ان کی تعریف کی گئی اور منافقین پر تعریض ہے جنہوں نے مومنین کے واپس ہونے پر بغلیں بجائی تھیں۔ لہٰذا حزن محمود وہ ہوا جو

کسی عبادت اور اطاعت کے کام کے فوت ہونے یا کسی گناہ میں پڑ جانے کے سبب ہو کیونکہ اس صورت میں بندے کا اپنے گناہ اور خطا کاری پر حزن اس کی دلیل ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اسے ہدایت کی توفیق مل سکتی ہے ایک حدیث میں ہے:

''مومن کو جو بھی تفکر، رنج پہنچتا ہے اس کے بدلے اللہ اس کے گناہ معاف فرمائے گا۔''

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حزن ایک مصیبت ہے، بندے نے اس پر صبر کیا لہٰذا وہ گناہوں کا کفارہ بن جائے گا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حزن کوئی اچھی صفت ہے جسے حاصل کرنا چاہئے۔ لہٰذا بندہ نہ حزن کی طلب و دعا کرے نہ اسے عبادت خیال کرے۔ نہ یہ سمجھے کہ شارع نے اس پر ابھارا ہے۔ اس کا حکم دیا ہے یا اس کو اچھا سمجھا ہے یا عبادت قرار دیا ہے اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی حزن وغم میں مبتلا ہو کر گزار دیتے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرح صدر کے ساتھ خندہ جبیں، فرحاں وشاداں رہتے تھے۔ رہی یہ بات کہ ہند بن ابی ہالہ کی حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''متواصل الاحزان'' تھے۔ تو یہ حدیث صحیح نہیں اس کی اسناد میں مجہور راوی ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کے بھی خلاف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''متواصل الاحزان'' کیسے ہو سکتے تھے جب کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے تفکرات اور اس کے اسباب سے محفوظ رکھا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم کیسے اور کیوں ہوتا؟ کس راستے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل تک پہنچتا جب کہ دل ذکر سے معمور رہتا تھا، استقامت سے پر اور ہدایت ربانی سے سرشار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے وعدے پر اطمینان تھا اس کے احکام وافعال پر راضی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خوش رہتے مسکراتے رہتے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل میں آتا ہے۔ "الضحوك القتال" جو شخص بھی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو غور سے پڑھے گا اسے معلوم ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باطل کو ختم کرنے، قلق واضطراب اور تفکرات، رنج وفکر وغیرہ کو ختم کرنے کے لیے آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفوس کو شکوک وشبہات اور حیرت و اضطراب سے آزاد کرنے، مصائب اور ہلاکتوں سے بچانے کے لئے آئے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے انسانیت پر کتنے بڑے احسانات ہیں۔ ایک حدیث ہے۔ "ان اللہ یحب کل قلب حزین" لیکن اس کی اسناد معلوم نہیں۔ نہ اس کے راوی معروف ہیں اس کی صحت بھی مشتبہ ہے کیونکہ بظاہر یہ شرع کے خلاف ہے اور اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کی توجیہہ یہ ہے کہ حزن ایک مصیبت ہے اس کے ذریعے اللہ بندے کو آزماتا ہے اگر بندہ صبر کرے تو اللہ کو اس سے محبت ہوگی لیکن جو لوگ حزن کی مدح کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ شرع میں وہ پسندیدہ ہے تو وہ غلطی پر ہیں۔ بلکہ اس کی ممانعت آئی ہے اس کے خلاف حکم آیا ہے کہ اللہ نے اپنی رحمت سے رسول بھیجے، کتاب نازل کی اس پر خوش ہونا چاہیے اور اللہ کی ہدایت کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ ایک اور حدیث ہے:

"اذ أحب اللہ عبدا نصب فی قلبه نائحة و اذا بغض عبدا جعل فی قلبه مزماراً۔"

یہ ایک اسرائیلی اثر ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ تورات کا قول ہے لیکن یہ معنا صحیح ہے یعنی یہ کہ مومن اپنے گناہوں پر غمگین ہوتا ہے۔ فاسق وفاجر لہو ولعب میں اور ہنسی ومستی میں مدہوش رہتا ہے۔ صالحین کا دل جو ٹوٹتا ہے تو وہ اس بنا پر کہ ان سے گناہ ہو جاتا ہے، بعض غلطیاں ہوتی ہیں۔ برخلاف گنہگاروں کے کہ ان کا غم دنیا اس کے فوائد اس کی شہوات اس کے لذائذ اور دنیاوی اغراض کے فوت ہونے پر ہوتا ہے۔ ان کا غم اور رنج وفکر دنیا کے لئے ہوتا ہے، اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ جہاں تک حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن کا یہ بیان ہے کہ ان کی آنکھیں حزن سے سفید پڑ گئیں۔ تو وہ خبر ہے کہ ان کی یہ حالت بیٹے کی جدائی کی وجہ سے ہوگئی تھی۔

کسی چیز کی اطلاع اس کے استحسان یا اس کے حکم پر دلیل نہیں ہوتی۔ ہمیں تو یہ حکم ہے کہ حزن سے اللہ کی پناہ مانگیں کیونکہ یہ ایک تاریک رات ہے جو بلندیوں کے راستے کی رکاوٹ ہے۔ ارباب سلوک کا اجماع ہے کہ دنیا کا حزن غیر محمود ہے ہاں ابوعثمان الجبری نے کہا ہے کہ ''حزن ہر صورت میں فضیلت ہے اور مومن کے لئے اضافہ ہے۔ اگر معصیت کا سبب نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ حزن سے تخصیص نہیں ہوتی تو چھٹائی تو ہو جاتی ہے۔'' ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ بلاشبہ حزن، آزمائش اور بلا ہے۔ وہ رنج وفکر اور مرض کی مانند ہے لیکن منازل سلوک میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کو خوشی اور انشراح حاصل کرنا چاہیے۔ اللہ سے اچھی زندگی، خوشگوار زیست، دل کی صفائی اور خوشی وشادمانی کی دعا کیجئے کیونکہ نعمتیں جلد ہی ختم ہونے والی ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ دنیا میں جو جنت ''شکر وتحدیث نعمت'' ہے جو اس میں داخل نہ ہوا وہ آخرت کی جنت میں بھی داخل نہ ہوگا۔ صرف اللہ ہی سے اس کی دعا کی جاسکتی ہے کہ وہ ہمارے سینوں کو یقین کے نور سے بھر دے، ہمارے قلوب کو صراط مستقیم کی ہدایت دے اور ہمیں تنگی اور مشقت کی زندگی سے بچائے۔

○○○

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

خواجہ ثاقب غفور

گھر کی ملکہ

اسلامی معاشرے میں خاوند کے ذمہ بیوی کے بے پناہ حقوق، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ''ایک دینار تو وہ ہے جو تم نے خدا کی راہ میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی فقیر کے صدقہ میں دیا، ایک دینار وہ ہے جو تم نے اپنے گھر والوں (بیوی) پر خرچ کیا۔ ان میں سب سے زیادہ اجر وثواب اس دینار کا ہے جو تم نے اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔'' (مسلم)

خاوند کو بیوی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے نفرت نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا: ''ایمان میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہترین ہو۔'' صاف صاف کہا گیا ہے کہ بیویوں کے حق میں بہترین ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں بہترین درجہ اس (مرد) کا ہے۔ بیوی سے بہترین سلوک یہ ہے کہ اس پر ظلم وزیادتی نہ کی جائے۔ بیوی کو گھر، لباس، دوائی اور کھانے کا خرچہ دیا جائے۔ یہ نکاح کے ساتھ ہی مرد کی بڑی ذمہ داری ہے جو اللہ نے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند پر مقرر کی ہے۔ بیوی کو اس درجہ و معیار کا کھانا، گھر، لباس، ادویات علاج مہیا کرنا خاوند پر فرض وواجب ہے۔ جس گھر (والد) کے معیار، خاندانی حسب ونسب، رواج، تہذیب سے وہ خاوند کے گھر بیاہ کر لائی گئی ہے۔ شادی کرتے وقت خاوند اور والدین کو یہ ضرور ذہن میں رکھنا چاہئے کہ وہ کس درجہ و معیار کے خاندان سے لڑکی بیاہ کر لا رہے ہیں۔ بعد میں مرد/ خاوند اکثر اس درجہ و معیار کی ضرورت زندگی پوری نہیں کر سکتے جو بعد ازاں خاوند اور سسرال کے لئے اور بیوی بچوں کے لئے ذہنی و جسمانی معاشرتی پریشانیوں کی وجہ بنتی ہے۔ لڑکے اور والدین کو چاہئے وہ ایسے گھر سے بیوی لائے جس کے خرچے وہ اٹھا سکے۔ امیر، امیر گھرانے یا کم امیر گھرانے سے بیوی لے آئے، درمیانے معاشی درجے کے لوگ ذرا کم درجہ کے معاشی طور پر مضبوط گھرانے سے لے آئے، اس طرح بیوی کے بنیادی حقوق ادا کرنا آسان ہوگا اور زندگی خوشگوار ہوگی۔

دوسری طرف عورت کو بھی خاوند سے ناجائز فرمائشیں اور اخراجات کے لئے نہیں کہنا چاہئے کہ خاوند پریشان اور حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر رشوت، غبن، دھوکہ، فراڈ اور حرام خوری پر مجبور ہو کر بیوی کی ضروریات پوری کرے جو کہ بعد میں بیوی کے لئے ہی عذاب جاں بن سکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں جو بیویاں دوسرے لوگوں کی بیویوں سے دھن، لباس، فیشن، زیورات، کار، کوٹھی، تحفے، سالگرہ کے مقابلے اور ناک اونچی رکھنے کے مرض میں مبتلا ہوتی ہیں وہ درحقیقت خاوند کی آمدنی کو برباد کرنے اور خاوند کی مشکلات میں اضافے کا بنیادی سبب خود بنتی ہیں۔ بعد میں جب خاوند حلال آمدنی سے بیوی کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا تو وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے احکامات توڑتا ہے اور معاشرے میں خود بھی ذلیل ورسوا ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ہوگا، جس کی ذمہ دار بیوی ہوگی۔

بیویوں کے حقوق کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی پیاری بندیوں کو مارنے پیٹنے سے باز رہو۔'' اب ہمارے مرد عموماً کیا کر رہے ہیں؟ وہ ہمیشہ بیوی پر ناجائز ظلم، ذہنی وجسمانی اذیت دیتے ہیں جس سے بیوی اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر ہمیشہ ٹینشن، ذہنی خلفشار، بلڈ پریشر یا جسمانی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ جو مرد اپنی بیویوں کو جسمانی، ذہنی یا جنسی

زیادتی کا نشانہ بناتے ہیں ان کے گھر امن، چین، سکون سے عموماً خالی ہوتے ہیں۔ وہ گھر سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپس میں یکجان نہ ہونے سے ویران، دنگا فساد، پریشانیوں، بیماریوں کا شکار رہتے ہیں۔ بیوی جو وفا کی پتلی ہوتی ہے، خاوند کا ظلم، جسمانی تشدد سہتی ہے اور اپنے بہن بھائیوں تک کو نہیں بتاتی اور نہ ہی والدین کو اصول ''فساد'' بتاتی ہے کہ میرا گھر ہے مجھے یہاں ہی رہنا ہے، بچے ہیں، طلاق ہو تو 4 بچے لے کر کسے سہارا بناؤں؟ ایسے ظالمانہ ماحول میں اسے بیماریاں صرف خاوند کے ذہنی اذیت دینے سے لاحق ہوتی ہیں۔ جو عام طور پر خاوند کو علم نہیں ہو پاتا کہ یہ اکثر اسپتال کیوں جاتی ہے؟ اصل بیماری خاوند کی کرتوتیں ہوتی ہیں۔ جو بیوی کو گھن کی طرح کھا رہی ہوتی ہیں۔ ظالم خاوند کو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ صرف نام کے مسلمان ہوتے ہیں۔ ان کو آخرت میں اللہ کے عذاب اور دنیا میں مختلف مسائل میں اللہ کی پکڑ نظر نہیں آتی۔ حالانکہ معاشی معاملات وحالات اور دوسرے معاشرتی معاشی جھٹکے یہ بتانے کے لئے اللہ کا پیغام ہوتا ہے کہ تم ظالمانہ کام کر رہے ہو۔ لیکن مردہ ضمیر مسلمان خاوند اور مسلمانوں کو اکثر یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اسلام نے عورت کو بے پناہ تحفظ، عزت، مرتبہ، مقام اور حقوق دیئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''لوگو! خبردار! میں تم کو دو کمزوروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہوں اور اس میں کوتاہی سے ڈرتا ہوں۔ ایک یتیم، دوسری عورت (خواہ وہ کسی بھی روپ میں ہو) دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی آبگینوں (شیشے کے بنے برتن) کو بھی توڑتا ہے؟ مراد کمزور نازک بیوی ہے۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے حقوق بیان فرماتے ہوئے فرمایا: ''جو تم کھاؤ ان کو کھلاؤ اور تم جو پہنو ان کو پہناؤ، نہ اس کے چہرے پر مارو اور نہ برا بھلا کہو اور نہ جدائی اختیار کرو۔ اس کا موقع بھی آئے تو یہ گھر میں ہی ہو۔'' اس حدیث سے صاف بیویوں کے حقوق خاوند کو بتائے گئے ہیں۔ خاص طور پر ان پر جسمانی تشدد سے منع کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں بے غیرت، ذلیل، گمراہ خاوند ذرا ذرا سی بات پر بیوی کو جسم یا منہ پر تھپڑ مار دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ کوئی کمزور عورت اور بیوی پر ہاتھ اٹھائے، اس کی عزت نہ کرے اور اس کا دل دکھانا بھی حرام ہے۔ کہاں یہ کہ اس پر تشدد کیا جائے۔ یہ حرام کام ہے۔ صرف اور صرف ایک صورت میں بیوی پر تھوڑی سی مار کی اجازت ہے، وہ بھی اصلاح کے لئے کہ وہ ایسے برے کاموں سے باز آجائے، مثلاً فحاشی، عریانی، بدکاری کے کاموں میں اسے روکنے کے لئے خاوند معمولی سزا دے سکتا ہے لیکن اس میں بھی بڑے عالموں، فقہاء اور اسکالرز کا اتفاق ہے کہ پھر بھی بیوی کو خاوند منہ پر نہ مارے، اور نہ ہی ایسی کوئی چوٹ لگائے کہ جس سے خون نکل آئے یا بڑے نشان پڑ جائیں۔ یہ سزا بھی صرف ثابت شدہ حقائق پر دی جائے گی۔ خاوند کو شک کی بنیاد پر بیوی کو جسمانی سزا دینا قرآن شریف کے حکم کے سراسر خلاف ہے۔ یہاں تو عورت بیوی کو ایسے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے جیسے وہ نکاح کر کے نہ لائی گئی ہو۔ نعوذ باللہ بازار سے لائی گئی ہو۔

یہ تمام حقوق اسلام نے عورت کو دیئے ہیں، وہ نان ونفقہ نہ ملنے پر خاوند کے خلاف قاضی کی عدالت میں جا سکتی ہے۔ اپنے حق میں فیصلہ لینے جا سکتی ہے۔ خاوند کے ناجائز ظلم وستم کے خلاف قاضی یا جج سے دادرسی لے سکتی ہے۔ یہ اس کا شرعی حق ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیا ہے لیکن ہمارے ہاں یہ بڑا ظلم ہے کہ یہاں عورت اور بیوی پاؤں کی جوتی ہے۔ بہت کم مرد اپنی بیویوں کے سارے حقوق ادا کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ برادری نظام میں عورت پر بے پناہ ظلم ہو رہے ہیں۔ جب اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے عورت کے حقوق مقرر کر دیئے ہیں تو اسلامی نظام سے بڑا محافظ کون سا نظام ہے جو عورت کی عزت، عصمت، تحفظ، معاشرتی حقوق کی گارنٹی دے سکے۔ اگر وراثت میں عورت کو حق نہ ملے تو قاضی یا حاکم اسے لے کر دے گا۔

(باقی.....صفحہ.....35.....پر)

بشارت حمید

کفر کے فتوے اور کرنے کا اصل نام

دین اسلام کسی کی جاگیر نہیں کہ کوئی اس پر سانپ بن کر بیٹھا رہے تاکہ دوسروں کو حصہ نہ مل سکے۔ یہ ایک سے دو، دو سے چار اور چار سے آٹھ اینڈ سو اون، تک ایک مسلسل پھیلنے والا دین فطرت ہے۔ امت کی اکثریت اس دعوت الی الناس کے کار خیر کے منصب کو کماحقہٗ سنبھالنے کے بجائے ہاتھ پر ہاتھ دھرے اپنی اپنی جگہ مطمئن بیٹھی ہے اور لوگوں کو آفاق دین سے جوڑنے کے بجائے اپنے اخلاق و کردار سے ایک نمونہ پیش کر کے دائرہ اسلام سے خارج کئے جارہی ہے۔ نتیجتاً عوام الناس میں مذہب بیزاری اور الحاد کا عنصر بڑھتا جارہا ہے۔

عام زندگی میں بھی ہم سے کوئی لین دین کا معاملہ کریں یا کسی کو اپنی بات سمجھانا چاہیں تو سب سے پہلے دوسرے کو عزت و احترام سے مخاطب کرتے ہیں، پھر اپنی بات کہتے ہیں، دوسرا اگر سلیم فطرت انسان ہو تو وہ متفق ہو جاتا ہے اور اگر کج فہم ہو تو بات سرے نہیں بن پاتی اور ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنی راہ لیتے ہیں۔ لیکن اس کا جینے کا حق یا دیگر انسانی حقوق سلب کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ ایک عام رویہ ہے جس میں استثنیٰ بہر حال ہوتا ہے۔

ہماری اکثریت جس دینی موقف پر قائم ہے اسے اگر باپ دادا کا دین کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کوئی بریلوی ہو یا دیوبندی، اہل حدیث ہو یا اہل تشیع، شاید دس پندرہ فیصد لوگ ہر گروہ میں ایسے ہوں گے جو کسی مکتبہ فکر کے ساتھ کوئی لٹریچر پڑھ کر یا شعوری طور پر سوچ سمجھ کر منسلک ہوئے ہوں گے۔ ورنہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ انسان جس ماحول میں آنکھ کھولتا ہے، اسی کو سچا اور اصل سمجھ کر ساری زندگی اسی کی پیروی میں گزار دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے آبائی مسلک کی بنیادی باتیں بھی محض سنی سنائی اس تک پہنچتی ہیں اور وہ ان کی سچائی کو پرکھنے کی معمولی سی کوشش بھی نہیں کرتا اور اپنے آبائی عقائد و رسومات پر کاربند رہتا ہے۔

فرض کریں کہ ایک مسلک کے نزدیک دوسرا مسلک اپنے کچھ عقائد کی بنا پر دائرہ اسلام سے خارج ہے، تو اس مسلک کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے۔ کیا اس کے معتدل افراد سے تعلق قائم کر کے انہیں اپنے مسلک کی دعوت دینا چاہیے یا وہ جہاں ملیں انہیں کافر کہہ کر ان سے توہین آمیز انداز میں پیش آیا جائے، ان سے بات بھی نہ کی جائے چاہے اس مخاطب نے اپنے مسلک کی کوئی کتاب خود سے پڑھی بھی نہ ہو اور نہ ہی وہ اپنے مسلک کے عقائد میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہو، ہاں اپنے خاندان برادری کے ساتھ مل کر چند عبادات اپنے عقیدے کے مطابق کر لیتا ہو۔

اب جو اپنے مسلک کو حق گردانتا ہو، اس پر تو بھاری ذمہ داری یہ آن پڑتی ہے کہ وہ اپنے اخلاق اور کردار سے دوسروں پر اپنی حقانیت ثابت کرے، اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اپنی دعوت پہنچائے، نہ کہ وہ آرام سے بیٹھا دوسرے سب کو کافر قرار دے اور اپنے سچے موقف کو نہ اپنی ذات پر لاگو کرے اور نہ ہی کسی اور تک پہنچانے کی کوشش کرے۔

ہمارے دفتر میں ایک صاحب جو ایک خاص گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک بار ان سے بات چیت ہوئی تو میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ جس عقیدے پر قائم

ہیں، کیا آپ نے اس کو کتابیں پڑھ کر شعوری طور پر سمجھ کر قبول کیا ہے؟ یا سب باپ دادا کو ایسا کرتے دیکھا اور اسی کو فالو کرنے لگ پڑے۔ ان کا جواب یہ تھا کہ میں تو اپنی جاب میں ہی اتنا مصروف رہتا ہوں کہ میرے پاس مذہب کے بارے میں پڑھنے اور سوچ بچار کرنے کا وقت ہی نہیں۔ یعنی وہ اپنے باپ دادا کے وراثت میں ملے عقیدے پر ہی قائم تھے کیونکہ بچپن سے انہیں یہی ماحول میسر آیا تھا اور اکثریت عوام کی ایسی ہی ہے جو بے شعوری کی کیفیت میں کسی عقیدے پر چل رہی ہوتی ہے اور انہیں اس غلط عقیدے کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرنا اور اس کے نتیجے میں اپنے خاندان برادری سے کٹ جانا گوارا نہیں ہوتا۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں کسی ایک گروہ کو کافر قرار دے کر سمجھ لیا گیا ہے کہ ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی ہے، اب اس گروہ کے افراد کو دین کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ نہ ان کے کوئی انسانی حقوق ہیں اور نہ ہی ان سے کوئی رعایت کی جانی چاہیے۔ برادران اسلام اگر آپ بھی یہی سوچ رکھتے ہیں تو پھر معاف کیجیے، ہمیں اپنے فہم اسلام اور فہم قرآن پر نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے۔ ہر گروہ میں سلیم الفطرت لوگ موجود ہوتے ہیں لیکن وہ خوف کی وجہ سے اپنے گروہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ہم سب کو ایک ہی لائن میں لگا کر کافر قرار دے دیں گے تو کل قیامت کے روز ان میں سے کئی ہمارے گریبان پکڑ سکتے ہیں کہ اے اللہ ہم تو ان کی بات سن لیتے، لیکن انہوں نے ہمیں کافر کہہ کر دھتکار دیا تھا اور ہم تک دین پہنچانے کی کوشش ہی نہیں کی۔

ایک کافر وہ ہوتا ہے جو ضد اور ہٹ دھرمی سے بات کو سمجھ کر بھی مختلف تعصبات کی بنا پر رد کر دیتا ہے، اس پر تو کوئی دو رائے نہیں، لیکن عوام میں اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں جن تک دین صحیح طریقے سے پہنچا ہی نہیں ہوتا اور ہم انہیں کافر یا گمراہ قرار دے کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ کسی کو اپنی بات سمجھانا مقصود ہو تو اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت کے جذبات رکھتے ہوئے ذاتی تعلق قائم کر کے ہی بات پہنچائی جا سکتی ہے، لیکن کسی کو یہ کہیں کہ تم کافر ہو اور ہمارا دین سچا ہے اسے مانو۔ وہ کبھی بھی اس طرز عمل سے ہماری بات سننے کو تیار نہیں ہوگا۔ اللہ نے ہمارے ذمے دین کی دعوت عام کرنے کا کام لگایا ہے لوگوں کو دین سے دور کرنے اور دھتکارنے کا کام چھوڑ کر اصل کام کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ کہیں یہ رویہ ہمارے لئے روز قیامت وبال کا باعث نہ بن جائے۔

○○○

بقیہ ..... گھر کی ملکہ

حق مہر نہ ملے قاضی لے کر دے گا، گھر کا خرچہ نہ ملے عدالت دلوائے گی، بیوی بچوں کا خرچہ نہ ملے اسلامی عدالت ذمہ دار ہے، خلع وطلاق کا حق نہ ملے تو عدالت خلع و طلاق دلوائے گی۔ تمام حقوق اور تحفظ اسلام نے عورت کو دیئے۔ اسلامی نظام سے باہر جا کر تو آزادی کے نام پر صرف فساد ہی پھیلے گا جو اکثر این، جی اوز پھیلا رہی ہیں۔ اسلامی نظام میں آزاد عدلیہ کا نظام عورت کا سب سے بڑا محافظ ہے۔ جو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے۔

جھوٹے خوابوں، وعدوں اور تحریکوں کے جائے پڑھی لکھی لڑکیوں کو اسلامی حقوق کا علم ہونا چاہئے اور وہ اپنا گھر بنانے کے لئے قربانیاں بھی دیں۔ اپنے حقوق و فرائض لازمی ادا کریں۔ خاوند کے جائز حکم کو مانیں، گھر کو پرسکون جنت بنائیں، صرف حقوق کے نام پر بھی فساد اور ناچاقی نہ پھیلائیں۔ سب سے مضبوط بنیاد خاندانی نظام ہے جو عورت کو ہی بنانا ہوتا ہے۔ اگر عورت باغی ہو جائے تو معاشرتی نظام ٹوٹ جائے گا، اس لئے خاوندوں اور بیویوں کو اپنے اپنے شرعی حقوق کے ساتھ ہمیشہ فرائض اور درگزر، رواداری اور قربانی کا سبق یاد رکھنا چاہئے۔ وفاداری، دلداری، مروت کے بغیر حقیقی خوشیاں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ یہی یاد کرنے کا سبق ہے۔ اللہ مردوں بیویوں کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س: ایک شخص نے اپنی بیوی کو چار پانچ بار نشہ کی حالت میں اس کا نام لئے بغیر طلاق دی، یہ طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

ج: اس مسئلہ کے بارے میں زبانی یہ بھی بتایا گیا کہ شوہر نے نشہ کی حالت میں عورت کا نام لئے بغیر، اور اس کی طرف اشارہ کئے بغیر یا اس کو مخاطب کر کے تمہیں یا تم کہے بغیر کئی بار طلاق کہہ دیا تھا، اگر یہ بات صحیح ہے تو عورت کی طرف کسی بھی اعتبار سے طلاق کی نسبت نہ کرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (شامی-۲/۴۶۶)

س: لڑکے والوں کا لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنا کیسا ہے؟

ج: لڑکی والوں سے کسی بھی چیز کا بطور جہیز مطالبہ کرنا نہایت گھٹیا اور ناپسندیدہ عمل ہے، شریعت نے لڑکی والوں پر کوئی خرچ مقرر نہیں کیا ہے، لڑکی والوں کی سب سے بڑی قربانی یہی ہے کہ وہ اپنی بیٹی دے رہے ہیں، اگر بغیر دباؤ کے لڑکے والے کچھ دیں تو یہ ممنوع نہیں ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کو دیا تھا (اگرچہ بہت سے محققین اس کو جہیز تسلیم نہیں کرتے) لیکن ان پر کچھ دینے کے لئے دباؤ بنانا نہایت نامعقول بات ہے۔ **"لایجوز لاحد من المسلمین اخذمال احد بغیر مسبب شرعی"** (شامی نیز دیکھئے کتاب النوازل-۸/۴۳۸)

س: ایک خاتون کا شوہر دس برس سے اپنی بیوی سے دور ہے، مزید یہ کہ پانچ سال پہلے اس نے فون پر اس خاتون کو حالت حمل میں تین طلاقیں بھی دے دی تھیں، سوال یہ ہے کہ کیا یہ خاتون دوسرا نکاح کر سکتی ہے جب کہ پہلا شوہر غائب ہے؟

ج: اگر یہ بات صحیح ہے کہ شوہر نے فون پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی تو یہ طلاق پڑ چکی ہے، خواہ وہ حالت حمل ہی میں کیوں نہ رہی ہو اور وضع حمل کے بعد وہ کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے۔ **"واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن الآیہ"**

س: مسجد میں چھ سال سے لے کر نو دس سال تک کے بچے نماز میں آتے ہیں، جن میں سے ایک دو بچے شرارت کرتے ہیں، نماز کے دوران باتیں بھی کرتے ہیں، تو کیا ایسے بچوں کو مسجد سے بھگا دینا چاہئے؟

ج: چھ سال سے اوپر کے بچے اگر سمجھ دار اور باشعور ہوں تو ان کو مسجد میں لانا مصلحت کے مطابق ہے، شرارت کرنے والے بچوں کو مسجد سے بھگانے کے بجائے ایسی تدبیریں اختیار کی جائیں کہ انہیں شرارت اور کھیل کود کا موقع نہ مل سکے، مثلاً ان کے سرپرستوں سے کہا جائے کہ ان کو اچھی طرح سمجھا کر لایا کریں، پھر بھی اگر باز نہ آئیں تو ان کو الگ صف نہ بنانے دی جائے، بڑوں کی الگ الگ صفوں میں الگ الگ کناروں پر کھڑا کر دیا جائے، فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، ان تدبیروں کے اختیار کرنے کے بعد امید ہے کہ ان کی شرارتوں میں کمی آئے گی اور اگر مسجد سے بھگایا گیا تو خطرہ ہے کہ کہیں وہ بلوغ کے بعد بھی مسجد سے دوری نہ اختیار کرنے لگیں جیسا کہ بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔

(تقریرات الرافعی-۱/۷۳)

س: بعض لوگ امام کے آنے سے پہلے ہی جب کہ ابھی ایک آدھ منٹ جماعت کھڑی ہونے میں باقی رہتے ہیں کھڑے ہو کر امام کے منتظر رہتے ہیں۔ ایسا کرنا کیسا ہے؟

ج: امام کے آنے سے پہلے کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، لہٰذا اگر امام کھڑا نہ ہوا ہو تو نمازیوں کو کھڑے ہو کر انتظار نہ کرنا چاہئے، ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (ہندیہ-۱/۵۷)

○○○

میں نے کیوں اسلام قبول کیا؟

بحوالہ روزنامہ "منصف" حیدرآباد

اسلام سے نفرت کے سبق نے مجھے مشرف بہ اسلام کردیا

میرا بچپن کا نام ڈیوڈ البرٹ ہے، لیکن الحمدللہ میں اب احمد اسماعیل کے نام سے جانا جاتا ہوں۔ مغربی ممالک میں میرا نام اسلامی مبلغ کی حیثیت سے مشہور ہے۔ میں نے اپنی زندگی کو اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف کردیا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کے علاوہ دوسرے مغربی ممالک میں بھی مجھے دینی اجتماعات سے خطاب کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ میں نے اسلام کے تعارف کے لئے انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں کتابیں بھی لکھی ہیں۔ عالم اسلام میں بین الاقوامی اجتماعات سے خطاب کرنے کی سعادت بھی مجھے حاصل ہوتی رہی ہے۔ جب مجھے اپنی گمراہ زندگی یاد آتی ہے، تو میں کانپ جاتا ہوں۔ خیال ہوتا ہے کہ نہ جانے اللہ کے یہاں میرا انجام کیا ہوگا۔

اپنے بچپن کا نام لکھ کر میں یہ ظاہر کرچکا ہوں کہ میری پیدائش ایک عیسائی گھرانے میں ہوئی تھی۔ میرے والدین کیتھولک عیسائی تھے۔ ہمارے گھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پاک مریم علیہا السلام کی تصاویر آویزاں تھیں۔ صبح وشام ان تصاویر کے آگے مؤدب کھڑے ہوکر اپنے والدین اور گھر کے دوسرے افراد کے ساتھ گیت گایا کرتا تھا۔ میرے والد الیم البرٹ ایک پادری تھے، اس لئے ہمارے گھر میں عیسائیت کا رنگ زیادہ گہرا تھا۔ بہت سے عیسائی میرے والد کے عقیدت مند تھے، وہ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اپنے والد کے اعزاز واحترام کو دیکھ کر میرے دل میں بھی یہ تمنا کروٹ لیتی تھی کہ میں اپنے والد کی طرح بن جاؤں اور میری عزت بھی اسی طرح کی جائے، جیسا کہ میرے والد کی کی جاتی ہے۔

ہوش سنبھالنے کے بعد میرے والد نے نیویارک سے متصل کالونی میں واقع ایک عیسائی اسکول میں مجھے داخل کرادیا اسکول کا ہاسٹل بہت شاندار تھا۔ یہاں ہر طرح کی آسائشیں حاصل تھیں۔ میرے والد چاہتے تھے کہ میں ایک شہرت یافتہ پادری بن کر نام اور دولت کماؤں۔ شہرت حاصل کرنے اور دولت کمانے کے لئے جو راستہ میرے لئے منتخب کیا گیا، وہ یہ تھا کہ میں عربی زبان پر عبور حاصل کروں، اسلام مخالف لٹریچر کا گہرا مطالعہ کرکے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کے فن میں مہارت حاصل کروں اور جب اس فن میں مجھے ید طولیٰ ہوجائے، تو پھر میں عرب ممالک میں جاکر اپنے مشن کا آغاز کروں۔ مجھے سمجھایا گیا تھا کہ میرے مشن سے دو فائدے حاصل ہوں گے، پہلا فائدہ یہ کہ اہل عرب اسلا سے متنفر ہونا شروع ہوجائیں گے۔ دوسرے یہ کہ جو عرب عیسائی مذہب قبول کئے ہوئے ہیں، میں ان کے عقیدوں کو پختہ کرنے کا سبب بن جاؤں گا۔

چنانچہ منصوبے کے مطابق میری پڑھائی شروع کی گئی۔ مجھے ویڈیو فلم کے ذریعہ کچھ ایسی چیزوں سے واقف کرایا گیا، جن کے بارے میں پہلے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات ڈالی جانے لگی کہ مسلمان، عیسائیوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور اسلام لٹیروں کا مذہب ہے۔ یہ مذہب تشدد سکھلاتا ہے اور دنیا کی تہذیب کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ میرے والد بھی اکثر اپنی گفتگو میں مجھے ذہن نشین کراتے تھے کہ مسلمانوں کے خلاف لڑنا عیسائیوں کا مذہبی فریضہ ہے۔ نیز یہ کہ اسلام کے ظہور میں آنے سے قبل عیسائی

مذہب سب سے بڑا مذہب تھا، لیکن ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں نے عیسائی مذہب کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی مثالیں دے کر مجھے یہ سمجھایا جاتا رہا ہے کہ مسلمانوں کو ذلیل کئے بغیر عیسائی دنیا میں عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ اس صورت حال نے مجھے اسلام سے سخت نفرت میں مبتلا کر دیا۔ اس کے علاوہ مجھے ایک ایسی لائبریری میں بھیجا گیا، جس میں اسلام مخالفت کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ اسلام مخالف کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ کسی دوسری جگہ دستیاب نہیں ہوسکتا، چونکہ میرے ذہن میں اسلام سے دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری جا چکی تھی، اس لئے ان کتابوں کے ساتھ میری وابستگی بڑھنے لگی۔ میں جیسے جیسے اسلام مخالف کتابوں کو پڑھتا تھا، اسی کے مطابق میرے عیسائی نظریات پختہ ہوتے جاتے تھے اور میں اپنے میں یہ سمجھنے لگا تھا کہ میدان عمل میں جانے کے بعد میں اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤں گا اور عیسائی مذہب کی خدمت کے لئے ایسے کارنامے انجام دوں گا، جن سے میرا نام ساری دنیا میں روشن ہو جائے گا اور میرے والدین بھی مجھ پر فخر کرنے لگیں گے۔ میں نے اسلام سے دشمنی کرنے کی تعلیم مکمل کرنے میں زندگی کے سولہ قیمتی برس صرف کر دیئے۔ اس دوران مجھے دنیا کے بڑے اسلام دشمنوں سے ملاقات کرنے کے مواقع میسر آتے رہے۔ دنیا کے کئی مشہور اسلام دشمنوں نے مجھے مسلمانوں کی نفسیات سے واقف کرایا۔ انہوں نے اپنے تجربات بیان کئے، جس سے میں نے اپنے ذہن میں نا کے مرتب کرنے شروع کئے، تاکہ میں ان تجربات سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو شکست دے سکوں۔

میرے لئے اہم کام یہ منتخب کیا گیا تھا کہ میں مسلمانوں میں دانشوروں کے نظریات کو سمجھ کر انہیں ذلت و شکست سے دوچار کروں اور عربی زبان میں ایسی تقریریں کروں، جن سے مسلمان اسلام کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو جائیں اور ان میں یہ وہم پیدا ہونے لگے کہ اسلام دین حق نہیں ہے، بلکہ عیسائیت اسلام سے پہلے کا مذہب ہے اور یہ مذہب ہی سچا ہے۔ مختصر یہ کہ میرے کام کے لئے میدان عمل تیار کیا گیا اور امریکی حکومت کی طرف سے مجھے ساری دنیا میں سفر کرنے کا ویزا جاری کرا دیا گیا۔ اسی دوران یہ خبر ملی کہ لبنان میں جو عیسائی ہیں، ان پر بڑی مصیبت آن پڑی ہے، وہاں کچھ مسلمان اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں سرگرم عمل ہیں، جس کے نتیجہ میں بہت سے عیسائیوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے اور اسلام قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ یہ مناسب سمجھا گیا کہ میں اپنے کام کا آغاز لبنان سے کروں۔ وہاں عیسائیوں کو مسلمان بننے سے روکوں اور جو عیسائی مسلمان بن چکے ہیں، ان کو ان کے مذہب میں واپس لے کر آؤں، چنانچہ میں امریکی طیارے سے لبنان پہنچا، جہاں میرا بھرپور طریقہ سے استقبال کیا گیا۔ پہلی مرتبہ مجھے اپنی زندگی میں احساس ہوا کہ میں کوئی بڑا آدمی بن گیا ہوں اور دنیا کے دوسرے آدمیوں کے مقابلہ میں میرا قد اونچا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک پختہ عقیدہ کا عیسائی خاندان مسلمان ہو گیا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ سب سے پہلے اس خاندان کے افراد سے ملاقات کی جائے اور ان کو محسوس کرایا جائے کہ عیسائی مذہب ترک کر کے انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ ایک معمولی بات ہے اور میں بآسانی مسلمان بننے والے خاندان کو واپس عیسائی مذہب میں لے آؤں گا۔

لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب میں نومسلم خاندان کے لوگوں سے ملا، تو انہوں نے واپس عیسائی مذہب میں آنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ اس مذہب کے علاوہ دنیا میں کوئی دوسرا مذہب ہی نہیں ہے، جو دیگر مذاہب ہیں وہ قطعاً باطل ہیں۔ اسلام کو انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر قبول کیا ہے اور ان کا ایمان ہے کہ اسلام دونوں جہاں کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسلام قبول کرنے والے نومسلموں نے مجھے باور کرایا کہ اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں ہے،

بلکہ یہ پیدائش سے لے کر موت تک کے وقت کے لئے زندگی گزارنے کا ایک طریقہ ہے۔ زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں اسلام رہبری نہ کرتا ہو۔ یہ ایک ایسا مذہب ہے، جو رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے کافی ہے۔ اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی دوسرا مذہب ایسا نہیں ہے، جو انسانوں کے معاملات کا حل بھی پیش کرتا ہو۔ اسلام اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے آئین کا نام ہے، ایک ایسا آئین جو زندگی کے تمام معاملات اور مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ اسلام کسی شخص کا ایجاد کردہ مذہب نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے، جس کو بدلا نہیں جاسکتا۔

میں ان لوگوں کو سمجھانے گیا تھا، لیکن ان لوگوں نے اسلام کا تعارف جس طرح کرایا، اس کو سن کر میں حیران رہ گیا۔ نومسلم خاندان کے افراد نے مجھ سے بہت سے سوالات کئے، ان سوالات میں وراثت سے متعلق بھی سوال تھا۔ جب مجھ سے یہ معلوم کیا گیا کہ عیسائی مذہب وراثت کے بارے میں کیا کہتا ہے، تو میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا، چونکہ وراثت ایک ایسا سچا مسئلہ ہے کہ اس کا کوئی حل عیسائی مذہب میں موجود نہیں۔ تثلیث سے متعلق سوالات کے جوابات میں نے ضرور دیئے، لیکن حق یہ ہے کہ میں اپنے جوابات سے خود بھی مطمئن نہیں تھا۔

نومسلم خاندان کے افراد میں عقیدہ کی پختگی کو میں نے محسوس کیا۔ ان لوگوں نے مجھے اسلام سے تعارف کی کئی کتابیں بھی پیش کیں۔ واقعات تو بہت طویل ہیں، مگر مختصراً میں یہی کہوں گا کہ مشرق وسطیٰ کے جن مسلم ممالک میں جاکر میں نے مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لیا، تو معلوم ہوا کہ جن اسلام دشمن کتابوں کا مطالعہ میں کرتا رہا تھا، ان میں بیان کردہ واقعات کا حقائق سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ میں نے مسلمانوں کو انسانیت دوست اور انسان نواز پایا۔ میں نے مصر جاکر جامعہ ازہر کے اسلامی دانشوروں سے جہاد کے موضوع پر گفتگو کی، چونکہ میں نے بہت سی ایسی کتابیں پڑھی تھیں، جن میں جہاد کے تعلق سے مسلمانوں کو خونخوار قوم قرار دیا گیا تھا، لیکن جب میں نے اسلامی دانشوروں سے گفتگو کی، تو معلوم ہوا کہ جہاد کا تصور خونریزی سے نہیں، بلکہ انسانیت کے تحفظ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اسلام میں کسی بے گناہ کا قتل کرنا حرام ہے۔ اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے، جو احترام آدمیت سکھلاتا ہے۔ اسلام یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ خدا کی زمین پر بے گناہوں کا خون بہایا جائے۔ مسلم ممالک کے سفر کے دوران مجھ پر یہ حقیقت آشکارا ہوتی گئی کہ اسلام دنیا کا سب سے عظیم الشان مذہب ہے۔ کسی اور مذہب کو اس کے مدمقابل لایا ہی نہیں جاسکتا۔ مجھے سخت افسوس ہوا کہ میں نے اپنا ماضی عیسائیوں کی فرسودہ کتابیں پڑھ کر ضائع کردیا۔ اگر میں ماضی کے سولہ برس اسلامی کتب کا مطالعہ کرتا، تو مجھے دین ودنیا کی سب سے بڑی دولت حاصل ہوجاتی، اسی دوران مجھے ایک ایسی لائبریری میں جانے کا موقع ملا، جہاں قرآن مجید کے بہت سے نسخے اور اس کے ترجمے موجود تھے۔ میں نے قرآن مجید کی مختلف تفسیروں کا مطالعہ کیا اور قرآن مجید کے اصل متن کو بھی پڑھا۔

میرا ایمان اسلام پر پختہ ہوتا گیا اور تلاش وتحقیق سے منکشف ہوگیا کہ پادریوں نے اسلام پر جو الزام تراشی کی ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسلام دین فطرت ہے، یہ پورے کرۂ ارض کے لوگوں کے لئے رشد وہدایت کا سامان لئے ہوئے ہے۔ پھر وہ وقت آیا، جب میں نے اسلام قبول کرلیا۔ مراقش کے اسلامی مدرسہ میں مفتی عبدالسلام صاحب نے مجھے کلمہ طیبہ پڑھایا اور میرا نام احمد اسماعیل رکھا گیا۔ قبول اسلام کے بعد میں نے ایک کتاب تصنیف کی، جس میں میں نے زندگی کے اپنے پورے تجربات کو بیان کیا ہے۔ کتاب کا نام ہے ''میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟'' اس کتاب کا ترجمہ دنیا کی تمام مختلف زبانوں میں کیا جاچکا ہے۔ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اسلام سے نفرت کرنے کا جو سبق مجھے پڑھایا گیا تھا، وہی سبق میرے مشرف بہ اسلام ہونے کا باعث بن گیا۔

○○○

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

حضرات حسنین رضؓ کا کردار اور اسوۂ امت کیلئے نمونہ ہے

اہل بیت سے محبت کے بغیر کوئی ایسا شخص نہیں رہ سکتا جو واقعی مسلمان ہو، اور جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کوئی درجہ حاصل ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے سچی محبت عقیدت اور تعلق رکھتے تھے اور آپ کی نسبت پروارفتہ تھے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اہل بیت سے تعلق خاص تھا۔ اس کی شہادت کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا محبت وعقیدت سے لبریز اس جملہ پر کان لگائیے کہ ایک موقع پر بنی امیہ کا حکمران مروان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ جب سے ہمیں آپ کی رفاقت حاصل ہوئی ہے، مجھے آپ کی کسی بات سے ناگواری نہیں، سوائے اس سے کہ آپ حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے محبت وعقیدت رکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سمٹ کر بیٹھ گئے اپنے پہلو کو بدلہ اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر پر تھے۔ ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز سنی، حضرت فاطمہ بھی ساتھ تھیں، آپ تیز رفتاری سے چل کر وہاں پہنچے اور فرمایا کہ ہمارے بیٹوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کیوں دونوں بچے رو رہے ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا عرض کیا کہ دونوں بچے پیاس کی وجہ سے رو رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشکیزے میں دیکھا تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ پھر آپ نے رفقائے سفر یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پانی کے بارے میں دریافت کیا سارے صحابہ پانی کے برتن کی طرف لپکے لیکن اتفاق کہ کسی کے پاس پانی موجود نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری باری حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو اپنی زبان مبارک چسایا۔ جب انہیں سکون ہوا۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان اور سکون ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اسی لئے ان دونوں سے تعلق اور محبت وعقیدت رکھتا ہوں۔ (طبرانی بسند صحیح، مجمع الزوائد: ۹/۱۸۰)

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گلشن محمدی کے ان شگفتہ پھولوں اور غنچہ ہائے سدا بہار وگل ہائے مشک بار کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور ان سے کیسی محبت رکھتے تھے کہ ظالم حکمرانوں کا خوف اور رعب ودبدبہ بھی اس کے اظہار میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ امام ابراہیم نخعی نے ایک موقع پر کیا زبردست اور مبنی بر حقیقت بات فرمائی تھی: کہ اگر خدانخواستہ میں قاتلان حسین رضی اللہ عنہ میں سے ہوتا اور میری مغفرت بھی کردی جاتی، نیز میں جنت میں بھی داخل کیا جاتا تب بھی مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے شرم محسوس ہوتی (حوالہ سابق) حضرات حسنین رضی اللہ عنہما حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ فاطمہ کے شوہر تھے انہیں دونوں نواسوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نسل کا سلسلہ آگے بڑھا۔ حضرت فاطمہ اور حضرت علی دونوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص تعلق اور انسیت تھی۔ تمام صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو کہ چھوٹی تھیں سب سے زیادہ چہیتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواتین جنت کی سردار قرار دیا اور جن کے بارے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں

میں سب سے زیادہ محبت فاطمہ سے تھی۔
حضرت فاطمہ کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ وہ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں حضور سے بہت مشابہت رکھتی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کو جو خاص تعلق اور نسبت تھی وہ بالکل عیاں اور بیاں ہے حضرت علی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی اعتبار سے بیحد قریب تھے۔ اسلام لانے میں بچوں میں پہلے نمبر پر تھے اور ان چار لوگوں میں تھے جو سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے۔ ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جس کا میں دوست ہوں علی اس کے دوست ہیں۔ گویا حضرت علی سے تعلق محبت اور انسیت کو آپ نے اپنی محبت کا معیار بنایا۔ حضرت فاطمہ اور حضرت علی کی اولاد یعنی اپنے نواسے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل و جان سے چاہتے تھے اگر یہ دونوں بچے روتے تو آپ بے قرار ہو جاتے اور حضرت فاطمہ سے کہتے بیٹی ان کے رونے کی وجہ مجھے تکلیف ہوتی ہے یعنی میری بے قراری بڑھ جاتی ہے اس لئے انہیں رونے نہیں دو ان کا خیال رکھو۔ ان دونوں سے شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ یہ دونوں بھائی بچپن میں حالت نماز میں آپ کی کمر مبارک پر چڑھ جاتے۔ کبھی دونوں پیروں کے بیچ میں سے گزرتے رہتے اور آپ نماز میں بھی ان دونوں کا خیال رکھتے۔ جب تک وہ کمر پر چڑھے رہتے آپ سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے۔ آپ اکثر انہیں گود میں لیتے کبھی کندھے پر سوار کرتے ان کا بوسہ لیتے انہیں سونگھتے اور فرماتے انکم لمن ریحان اللہ تم دونوں اللہ کی عطا کردہ خوشبو ہو۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے تو دس بیٹے ہیں لیکن میں نے آج تک کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا انہ من لا یرحم لا یرحم جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی من جانب اللہ رحم نہیں کیا جاتا۔ آیت تطہیر کے نزول کے بعد آپ نے حضرت علی حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین کو اپنی ردائے مبارک میں داخل فرما کر عرض کیا:

"اللھم ھولاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم" اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو دور فرما دیجئے اور پاک و صاف کر دیجئے۔ (معارف الحدیث ہشتم صفحہ: ۳۵۴)

امام ترمذی نے حضرت یعلی بن مرہ رح کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حسین میرے ہیں اور میں حسین کا۔ جو حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے حسین میرے ایک نواسے ہیں۔ ایک موقع پر آپ حضرت حسن کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوئے تھے اور یوں دعا کر رہے تھے۔ **اللھم انی احبہ فاحبہ** اے اللہ یہ مجھے محبوب ہے آپ بھی اسے اپنا محبوب بنا لیجئے۔ (بخاری) حضرت حسن اور حسین کو آپ نے نوجوان جنت کا سردار قرار دیا یہ روایت بھی علماء اہلسنت کے یہاں مشہور و معروف ہے۔ ایک موقع آپ نے فرمایا جس کو مجھ سے محبت ہوگی وہ ان دونوں سے محبت کرے گا۔

(مجمع الزوائد عن ابی ہریرہ: ۹/۱۸۰)

ایک اور خصوصیت حضرات حسنین کو حاصل تھی وہ یہ کہ حضرت حسن اور حسین کو جسمانی طور پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی مماثلت اور مشابہت تھی۔ لیکن یہاں اس پہلو پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا حضرات حسنین سے امت کی یہ محبت اور آپ کی نگاہ میں ان دونوں کا یہ درجہ اور مقام صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں آپ کے نواسے ہیں؟ یقیناً اس میں اس نسبت کا بھی خاص دخل ہے لیکن اس سے بڑھ کر ان دونوں کا اسوہ کردار اور عمل ہے جو پوری امت کے لئے ایک آئیڈیل اور نمونہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت حسن کا اسوہ یہ ہے کہ امت کو اختلاف و انتشار سے بچانے کے لئے اپنے اقتدار کی قربانی گوارا کی جائے اور ایثار سے کام لیا جائے اور حضرت حسین کا اسوہ یہ ہے کہ جب دین میں کوئی طاقت کمی بیشی کرنا چاہے اور اسلام کی صحیح تصویر کو مسخ کرنے کے درپے ہو تو چاہے اس کے لئے اپنی رگ گلو کٹوانی پڑے اپنی اور پورے خاندان کی جان کی قربانی پیش کرنی پڑے لیکن بہر قیمت اللہ کے دین اور شریعت کی فکری سرحدوں کی حفاظت کی جائے آج کے حالات میں حضرات حسنین کے یہ دونوں نمونے امت کے لئے مشعل راہ ہیں۔ حضرات حسنین کے یہ دونوں اسوے اور

کردار قیامت تک کے لئے ایسے سنہرے نقوش ہیں جو نقش لافانی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر اقدس پر تھے اور آپ کے پہلو میں حضرت حسن تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی حضرت حسن کی طرف اور ارشاد فرماتے: میرا یہ بیٹا سید یعنی سردار امت ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشن گوئی اس وقت ظہور پذیر ہوء جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل شام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں آ گئے اور ادھر اہل حجاز اور اہل عراق اور اہل حجاز حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں۔ عام طور پر بڑے صحابہ اور تابعین حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور بقول عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو لشکر جراران کے ساتھ تھا قوی اور غالب امکان تھا کہ جیت ان کی ہی ہو لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کی پیشکش ہوئی تو حضرت حسن نے اپنے بہت سے ساتھیوں کی مخالفت بلکہ ایک گونہ تشنیع کے باوجود اس پر لبیک کہا اور اپنا ہاتھ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا تاکہ مسلمانوں کی خونریزی نہ ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ وہ کارنامہ ایثار اور قربانی ہے جس کی دوسری کوئی مثال مشکل ہے۔ اس قربانی نے حضرت حسن کو وہ شہرت دوام اور عظمت عطا کی کہ اگر پورے عالم اسلام کے متفق علیہ تاج ور بھی بن جاتے تب بھی شاید ان کو یہ عظمت مقام حاصل نہ ہوا ہوتا۔ اور لوگوں کے دلوں پر ایسی حکمرانی نہ ہوتی۔ اس صلح کے بعد پورا عالم اسلام ایک پرچم اور ایک جھنڈے تلے آ گیا۔ اس سے کوئی حقیقت پسند انکار نہیں کرسکتا کہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تدبر سے زیادہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ایثار کا حصہ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یزید بن معاویہ کے مقابلے میں آنا بھی اس لئے نہیں تھا کہ آپ کے دل میں حکومت و خلافت کی حرص لالچ اور طمع تھی۔ اس لئے کہ آپ کو جو حضور سے نسبت کا شرف حاصل تھا وہ ہزار حکومت اور خلافت پر بھاری تھا اور اس نسبت کے مقابلہ میں حکومت و خلافت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس پر ہزار حکومتیں قربان اور نچھاور تھیں۔ آپ کا اقدام اور یہ پیش قدمی صرف اس لئے تھی کہ آپ محسوس کر رہے تھے کہ اب خلافت حکومت اور بادشاہت کا رخ اختیار کر رہی ہے اور خلافت کے لئے جو معیار اور کسوٹی ہے اور جو شرائط اور حدود ہیں ان کو بالائے طاق رکھ کر ایک شخص تخت خلافت پر متمکن ہو رہا ہے کیوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ صاف محسوس کرلیا کہ یزید کی حکمرانی سے ایک نئے طریقہ کار آغاز ہو رہا ہے جس میں خلفائے راشدین کے عہد کے اصول وضوابط اور قدر و روایات کا فقدان ہے اس لئے آپ نے یزید کے خلاف مزاحمت کی۔ اس وقت جتنے جمہور اور کبار صحابہ تھے ان کو بھی اس نئے طرز حکمرانی سے سخت اختلاف تھا جتنا حضرت حسین کو لیکن بہت سے صحابہ نے فتنہ کے اندیشہ سے خاموشی اختیار کی اور بعض نے امت کو اختلاف سے بچانے کے لئے بہ کراہت خاطر مجبوری میں اس نئی طرز حکومت کو تسلیم کرلیا لیکن اگر سارے لوگ اس پر راضی ہوجاتے اور وہی رویہ اختیار کرتے اور کسی طرف سے مزاحمت نہ ہوتی تو آئندہ یہ بات سمجھی جاتی اور یہ منفی پیغام سامنے آتا کہ اسلام میں خلافت علی منہاج النبوۃ کے ساتھ عہد جاہلیت کی مروجہ ملوکیت کی بھی گنجائش ہے۔ اس لئے حضرت حسین نے اس کے لئے مزاحمت ضروری سمجھا اور اپنی اور خاندان کی جان اس راہ میں شہادت کے لئے پیش کردی تاکہ دنیا کو یہ پیغام پہنچے کہ انسان کو حق کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں بھی ہچکچانا نہیں چاہئے اور یہ یقین لوگوں کو پیدا ہوجائے کہ۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں مختلف کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے خاص طور پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب معارف الحدیث ہشتم اور استاد محترم جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے ایک مضمون سے جو سال گزشتہ انہی تاریخوں میں جمعہ ایڈیشن منصف میں شائع ہوا تھا۔

○○○